

## پیشہ

پاگل خانے کا قیدی مانا خط فرمائیے۔ اس میں فریدی اور حمید سے ملنئے۔ حمید کی دلچسپی اس کی شرارتیں اور رام گذھ کی پراسرار فضاؤں میں پران چڑھنے والی یہ کہانی کتنی دلچسپ اور کتنی معزکہ الاراء ہے۔ اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر سکیں گے لیکن میں اتنا گھوٹا کہ ابن صفحی کے انداز بیان نے اردو میں جاسوتی ناول لکھنے والوں کے لئے ایک نئی طرح ڈالی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ جاسوتی ادب میں ابن صفحی کے معیار پر پہنچنا ایک لمبے عرصے تک شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔ وہ قاری کو کہانی کے تاب نہ بانے میں اس طرح الجھاد بیتے ہیں کہ پڑھنے اس وقت تک ناول ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب تک اسے ختم نہ کر لے۔ پاگل خانے کا قیدی بھی ایسی کہانی ہے، جسے آپ ایک ہی نشست میں پڑھنا پسند کریں گے۔

پشاور

## ایک سفر

کپارٹمنٹ میں کئی افراد تھے۔ لیکن سب خاموش تھے۔ ٹرین فرائی بھر رہی تھی  
... کپارٹمنٹ انہر کندھیں تھاونے لوگ سکون سے مطالعہ کرنے اور انگھٹے کی بجائے  
بہت شدت سے بے چین نظر آتے کیونکہ کپارٹمنٹ کے باہر منی کا آتش باز سورج  
اپنی قبر انگلیزی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

کپارٹمنٹ میں دو کافی خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ اسی لئے کیپٹن جمیڈ پر  
اختیار قلب کا درود پڑ گیا تھا، جہاں حسن ہو وہاں سننا اسے غیر طری معلوم ہوتا تھا  
اور کسی غیر طری ماحول میں جسمانی نظام کا متاثر ہونا ضروری ہے لہذا اس پر اختیار  
کا درود پڑ گیا۔

فریدی ایک کافی تھیم کتاب میں سر کھپار رہا تھا۔ مطالعہ میں اشناک اور چیز ہے لیکن  
اس کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہی انہری کے دستیں کمرے میں تنبا  
بیٹھا ہو۔ مگر سلاگاتے وقت بھی اس کی نظر کتاب ہی پر ہوتی تھی۔ یہ کسی جرم  
محض کی تصنیف جرمن ہی زبان میں تھی۔

فریدی کپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تمام افراد سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ  
دوسرا لوگ بار بارا سے دیکھتے تھے۔ لوگوں کے دیکھنے پر تو جمیڈ کو کوئی اعتراض نہ تھا  
لیکن وہ لڑکیاں... دونوں فریدی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلچسپی لینے  
کی بات ہی تھی کیونکہ فریدی ایک بار بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہر وہ نوجوان  
ایسی لڑکیوں کیلئے عجب ہو گا، جو انہیں نظر انداز کر کے اس طرح مطالعہ میں مشغول ہو  
جائے کہ ایک آدھے بار نظر وہ کا تصاویر بھی نہ ہو سکے۔ وہ یہے وہ لڑکیاں حقیقتاً اتنی ہی  
پرکشش تھیں کہ ایک عمر آدمی در درسر کا بہانہ کر کے بابا آہیں بھر رہا تھا اور انہیں اپنی  
طرف متوجہ کرنے کے لئے کبھی کبھی بڑا بڑا نہ بھی لگتا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ بھی ایک عمر آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں دھنڈلی تھیں۔ لیکن پھر

بھی ان سے متوجہ ہوتا تھا کہ وہ بہت ذہین اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چھر اپنے نوئی اور  
ڈاڈھی موچھوں سے بے نیاز تھا۔ پیشانی اوپنچی اور بہت کشاورہ سر پر برف کے  
سے شفاف بال جن کی تعداد پر شائد عمر کی زیادتی بھی اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔  
مجموعی طور پر اس کا چھرہ نرم دل خیق آدمیوں کا ساتھا۔

اس نے بھی اکثر فریدی کے انہاک کو توجہ اور وچھپی کی نظر سے دیکھا تھا۔ ہمید  
اس پر اور زیادہ کتاب ہوا تھا... لیکن... اس وقت اسے کچھ سو جھوہی نہیں رہا تھا۔  
لوگ اس کی طرف عموماً اسی وقت متوجہ ہوتے تھے، جب وہ اپنے مخصوص انداز میں  
بولنا شروع کرتا تھا اور فریدی کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ مرے اسے ہر حال میں دوبارہ  
دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

ہمید سوچنے لگا کہ اپ اسے زبردستی بوڑھے سے جان پہچان پیدا کرنی چاہئے،  
لیکن فی الحال کرنی طرق نہیں سو جھوہ رہا تھا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر ایک  
ٹھنڈی سی سانس لی اوپھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ وہ  
پندرہ منٹ بھی خاموش رہنا پسند نہیں کرتا تھا، چھ جائیکاہ متواتر چار گھنٹے۔ اسے چار  
گھنٹے چار سال معلوم ہوئے تھے۔ چار گھنٹے سے اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور  
آب قریب ہی تھا کہ اکتاہٹ در در میں تبدیل ہو جائے، اچاک اس کی نظر ایک  
رمال پر پڑی، جو با تحریر مکے قریب فرش پر ہوا تھا۔ یہ رمال ہمید نے اس بوڑھے  
کے ہاتھ میں دیکھا تھا جو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

وہ اٹھ کر با تحریر مکے طرف گیا اور رمال اٹھا کر لڑکیوں کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

”یہ رمال شائد آپ کا ہے۔“ ہمید نے بوڑھے سے کہا۔

”اوہ... جی ہاں... شکر یا!“ بوڑھا رمال لیتا ہو مسکرا یا اور پھر آہستہ سے بولا۔“

آپ شائد ان صاحب کے ساتھ ہیں۔“

”جی ہاں! وہ بڑے بھائی ہیں میرے۔“ ہمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”بیٹھئے۔“

بُورہ ایک طرف کھلکھلتا ہوا بولا۔ ”وہ تو بے تھا شہ پڑھنے والوں میں سے معلوم ہوتے ہیں۔“

”شکر یہ ہمید بیٹھتا ہوا بولا۔“ جی ہاں! بظاہر ایسا ہی ہے۔“

”بظاہر۔“ بُورہ ہے نے دہر لیا۔

اڑکیاں خاموشی ہو گئیں۔ شاندہلہ ان کی فتلو سننے لگی تھیں۔

”جی ہاں! کوئی خاص بات نہیں!“ ہمید نے شاندہلی سانس لے کپا۔ اس کی آواز حد درجہ غمناک ہو گئی تھی۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔“ بُورہ ہے نے دچپی کا ظہار کیا۔

”ایک بہت بڑی بد یقینی جناب۔ وہ ایک جرم من مصنف کی کتاب ہے۔“

”ہاں چھپو... میں نے با تحریر ممکن کی طرف جاتے وقت دیکھا تھا۔“ لیکن وہ جرم کی نہیں جانتے۔ ہمید نے کہا۔

”یا بات ہوئی... وہ...“ بُورہ ہاہنٹتے لگا۔ اڑکیاں بھی مسکرا گئیں۔ ہمید نے دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو وہ بولکھا کر فریدی کی طرف دیکھنا فریدی کی اس وقت کتاب کو چھرے کے برابر اٹھائے دیکھ رہا تھا اور کتاب اُسی تھوڑا شاندہلہ کوئی چارٹ تھا جسے وہ ارش کر دیکھ رہا تھا۔

”وہ دیکھئے!“ ہمید نے جلدی سے بولا۔ ”کیا کتاب اُنہیں ہے؟“

”آ... ہا...“ ہمید آہستہ سے بولا۔ ”وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کرتے۔“

انتہی میں فریدی نے چارٹ دیکھ کر کتاب پھر زانو پر رکھ لی۔

”مگر...“ ہمید آہستہ سے بولا۔ ”وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کر کہا۔“

”آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ جاہل نہیں ہیں۔ آس فورڈ سے ایم۔ اے کیا تھا۔ یہی کہا۔“

تھامیں نے کہ یہ ایک بہت بڑی بد نصیبی ہے۔“

”کیا بد نصیبی ہے!“ بوڑھے نے اکھرے ہوئے لپجھ میں پوچھا۔

”یہ پاگل ہیں،“ حمید نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں دشک کرنے

اگا۔

”کیا مطلب!“ بوڑھا حمید کو گھوستا ہوا بولا۔ اور آپ انہیں اس طرح لئے پھر رہے ہیں۔“

”آپ مسلمان رہیں۔ یہ اس قسم کے پاگل نہیں ہیں کہ دوسروں کے لئے دردسر نہیں۔ یہ صرف اپنے لئے خطرناک ہیں۔“

”وہ کیسے!“ بوڑھا پھر دچپی لینے لگا تھا اور اڑ کیاں بھی آپس کی گفتگو بند کر کے بوڑھے کے شانے پر جک جاتی تھی۔

”ابھی اور اسی وقت!“ حمید آہنگ سے بولا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اٹھو کر کوٹ پہنیں، چھڑی اٹھائیں اور چلتی ہوئی طریقے سے اس طرح نکل جائیں جیسے اپنے کمرے سے نکل کر ٹبلے جارہے ہوں۔“

”اوہ...!“ بوڑھا سر ہلا کر وہ گیا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”دوسروں سے جھکڑتے تو نہیں۔“

”نہیں جناب اوہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جھگڑا کیسا!“

”گھروالوں کے ساتھ برداشت کیما ہے!“ بوڑھے نے پوچھا۔

”کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رکھتے۔ جرمن اور فرانسیسی زبانوں سے عشق ہے۔ ہر ماہ سینکڑوں روپے کی کتابیں خریدتے ہیں، لیکن انہیں اسی طرح لئے بیٹھے صفحات الٹا کرتے ہیں۔“

”ویکھا تم نے!“ بوڑھا اڑ کیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”یہ صاحبزادے مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہے۔“

”لا حول ولا قوّة!“ حمید نے بر اسامنہ بنا کر اٹھتے ہوئے کہا ”بزرگوں نے تھیک ہی کہا ہے کہ مسافرت میں اجنیوں سے گفتگو کرنے میں دولت و عزت کا زیان ہوتا ہے۔“

”بیجو! بیجو!“ بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔“ میں گرہ کٹ نہیں ہوں، اس لئے دولت کے زیان کا خطرہ نہیں۔ عزت اس لئے خطرے میں نہیں کہ میں نے تھیں گالیاں نہیں دیں۔ کہاں پڑھتے ہوہ... کسی اخیر میں...!“

”میں اب کسی بات کا جواب نہ دوں گا،“ حمید جھنجھلانے ہوئے لجھ میں بولا۔

”مجھ سے بہتر میرا بھائی ہے، جو کبھی کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔“

”کیا تمہارے بیان میں صداقت تھی!“

”نہیں میں جھوٹا ہوں اور اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“

”میں نہ اپنے سمجھاتا،“ بوڑھے نے سمجھی گی سے کہا۔ ”مجھے ان کے حالات بتاؤ۔“

لوگ مجھے ذہنی امراض کا اپیشتم سمجھتے ہیں۔ تم لوگ شاکر رام گلڈھ جا رہے ہو۔“

”ہاں ہم وہیں جا رہے ہیں۔ حمید نے کہا۔“

”دکس غرض سے!“

علاج کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ ویسے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مریاں گذارنے کے لئے رام گلڈھ سے زیادہ بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔“

”ہاں... آں... میں حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے پچھمدہ کر سکوں۔“

”حالات...“ حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ ”میں بتا سکتا ہوں، لیکن آپ وعدہ کیجئے کہ میرا نہ اپنے اڑائیں گا۔ ابھی ابھی آپ نے مجھے خوانخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”اوہو! اسے بھول جاؤ میاں لڑکے۔ میں بھی شلطی پر نہیں تھا۔ آج کا طالب علموں میں دوسروں کو یوقوف بنانے کا مرض نام ہے حالانکہ یہ بھی ایک قسم کا پھر پھورا پن

ہے۔ بچوں کی ای عادت... خود نمائی کا خط... ہاں تم تم مجھے بتاؤ۔“

”کیا عرض گروں بچپن ہی سے گم تم رہتے آئے ہیں اور ان کی حالت تو آپ کے سامنے ہے۔ حالات منحصرہ نہیں ہیں۔ مثلاً رات کو پہل کرائے چھڑی کو بستر پر ڈال کر لحاف اور ٹھاڈیا اور خود جا کر چھڑی کی جگہ کرنے میں لکھرے ہو گئے... دیکھئے... آپ لوگ نہس رہے ہیں تا... لا جول والاقوۃ۔“

جمید بر اسامنہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ اڑکیاں واقعی نہس رہی تھیں۔ ”ہوسنا تا ہے...“ ”بُوڑھا سر ہلا کر بولا۔“ ویسے اس قسم کی باتوں پر بخسی تو ضرور آئے گی۔ میں تھیں جھونٹنیں سمجھتا... ہاں اچھا... عام حالات میں یا دواشت کی کیا کیفیت ہے۔“

”اوھار لیتے ہیں۔ لفظ اوھار یاد رہتا ہے۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ لیا تھا یا دیا تھا۔ ہندو کشمکشم کھرو اے تو انیں قرض دیتے ہوئے ٹھبرا تے ہیں۔ ان بچاروں کو قرض دے گرعموا پشیان ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ زبردستی اتنی رقم پھر کسی موقع پر وصول کر لیتے ہیں کہ تم نے فلاں دلن مجھ سے قرض لیا تھا۔ آپ واپس کرو۔“

”واقعی عجیب کیس ہے۔“ ”بُوڑھے نے تشویش آمیز لجھے میں کہا۔“ ”شادی ہو گئی ہے۔“

اچھا ہوا کہ ابھی تک نہیں ہو گئی۔“

”خواہش کرتے ہیں۔“ ”بُوڑھے نے پوچھا۔

”نہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب تم شادی کرلو۔“

”بُوڑھا ٹھوڑی دری تک پکھو سو چمارہ پھر بولا۔“ ”میرا خیال ہے کہ وہ باکل ٹھیک ہیں۔ گھروالوں کو یہ تو ف بنار ہے ہیں۔“

”ہائیں! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ بچپن سے اب تک یہ تو ف ہی بناتے آر ہے ہیں۔“

”بچپن کی حالات پر یثاث کن تھے۔ والد حاصل کے ساتھ بازار گئے اور اچانک

والد صاحب کو احساس ہوا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ اس کے گھر پہنچ جاتے تھے۔ کہانے بیٹھتے تو سالم کے بجائے روئیوں سے چاول کی پلیٹ صاف کر گئے۔ مارپڑی تو ہنستے ہنستے بیدم ہو گئے۔“

”اور اس کے باوجود بھی تم کہتے ہو کہ انہوں نے ایم اے کیا ہے۔“

”یہی تو خاص بات ہے جناب! ڈاکٹروں کی عقل چکر ریں ہے۔ ایک صاحب ان کو باشکونیلیس کرنے بیٹھتے تھے۔ وہ تھپٹر پر اتنا کہ آج تک یاد کرتے ہوں گے۔“

”تھپٹر!“ ایک لڑکی نے حیرت سے دہرا�ا۔

”جی ہاں! میں نہیں جانتا کہ اس طریقے کا کیا تام ہے۔ بحال ماہر نفسیات نے اس سے لہا کہہ لفظ کہے گا اور بھائی صاحب اس کے جواب میں دوسر لفظ کہیں گے۔“

”اوہ... اچھا اچھا!“ لڑکے نے سر ہلا کیا۔

”جی ہاں... ماہر نفسیات نے پہلا لفظ از ار بند کہا۔ بھائی صاحب بولے آوت اف ڈیٹ۔ اس نے کھانیل پاش۔ آپ نے فرمایا چچھوندر... پتہ نہیں اور کیا کیا اوت پٹانگ چلتی رہی۔ آخر میں ماہر نفسیات نے کہا گالی۔ آپ نے تھپٹر کہہ کر باتھ تھمادیا۔“

لڑکیاں پس پڑیں اور بوڑھا بولا۔ ”وہ کوئی عطا لئی رہا ہو گا۔ اس کیس کے لئے یہ طریقہ نہ ہو ہے و یہ کیس دلچسپ اور انوکھا ہے۔ آپ رام گلڈھ میں کہاں ظہریں گے

”کسی ہوٹل میں۔“

”مجھے خوشی ہو گی اگر آپ میرے ساتھ قیام کریں۔“ اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو اسوقت بھی کتاب کو الٹ کر اپنے چہرے کے برابر اٹھائے

ہوئے تھا۔ ”یہ کیس میرے لیے بہت دلچسپ ہے۔ اس طرح میرے تجربے میں بھی اضافہ ہو گا۔“

”مگر... میں کیسے عرض کر سکتا ہوں۔ انہیں اس پر رضا مند کر لینا آسان کام نہ ہو گا۔“

”کیوں انہیں کیا اختراض ہو سکتا ہے۔“

جمید پچھو سوچنے لگا۔ اس نے یہ بواں محض اس نے شروع کی تھی کہ لڑکیوں کو پچھو دیں ہنسانے کے بعد ان سے بے تکلف ہو جائے گا، لیکن حالات نے صحیدگی اختیار کر لی۔ اچانک اس نے بورڈ سے پوچھا۔ ”آپ کا ذاتی ہسپتال بھی ہے۔“

”ذاتی ہسپتال بھی ہے اور میں ہر کاری منفل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین بھی ہوں۔“

جمید پھر پچھو سوچنے لگا جھوڑی ہے بعد اس نے کہا۔

”مگر جتنا... میں ابھی کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔“

”دیکھئے گا! اگر ہو سکتے تو! ویسے اس میں آپ ہی فائدہ ہے۔“ کہاں تو جمید اس چکر میں تھا کہ پچھو تفریح حاصل کرے گا اور کہاں اب اسے خلجان میں بنانا ہوتا پڑا۔ بات ایسی ہی تھی۔ اگر وہ بورڈ کا اتفاقی منفل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین میں تھا تو فریدی سے رام گلڈھ میں اس کی ملاقات لقینی تھی کیونکہ فریدی جس کام کے لئے رام گلڈھ جا رہا تھا وہ وہاں ک پاگل خانے ہی سے تعلق رکھتا تھا حالانکہ جمید کو اس نے تنصیل نہیں بتائی تھی مگر پھر بھی وہ اس سے تو واقف ہی تھا کہ پروگرام میں پاگل خانہ بھی شامل ہے۔

لڑکیاں پھر گفتگو میں مشغول ہو گئی تھیں، لیکن باہر باران کی نظر میں فریدی کی طرف ضرور اٹھتی تھیں، اور شاکر موضوع گفتگو بھی فریدی ہی تھا۔  
بورڈ کا ارہا تھا۔ ”واقعی یہ کیس دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔“

حمدید پکھنہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کی جو جماعت بنے والی ہے  
اس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہو گا۔



اردو فینز ڈاٹ کام

## تین روپاں

تموڑی دیر بعد وہ پھر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور ایسی مسکین صورت بنائی جیسے  
کہ سنی ہی میں والدین کے سامنے سے محروم ہو گیا ہو۔  
صاری تفریح کر کری ہو کر رہ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملات  
کو برابر کرے۔

”نالبااب ڈرین کسی آئشیں پر رکنے والی ہے۔“ فریدی کتاب پر نظر جمائے  
ہوئے بڑا بڑا۔ ”کافی کے لئے کہہ دینا۔“  
”نہیں ڈائینگ کار میں چلیں گے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”اس کی کیا ضرورت ہے۔“

”بس یوئی دل چاہتا ہے۔“

”غیر ضروری حرکتوں سے انتہام کیا کریں۔“

”یہ میری ضد ہے۔ آپ بھی میرا ہنا نہیں کرتے۔ آپ کو چلنای پڑے گا۔“

”آہا۔ کرنی خاص بات...“

”بس انھیں! ڈرین رک رہی ہے۔“

”اگر لوگ گئی تو۔“ فریدی مسکرا کر بوا۔

”آپ کے بد لے میں مر جاؤں گا۔ لیں!“

فریدی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ لیکن لڑکیوں کو یہ دیکھ کر ما یوسی ہوئی کہ وہ  
اب تھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ بوڑھے سے دو ایک بار نظر ملیں۔ اور پھر وہ  
حمدید سے بوا۔ ”چلو! پتہ نہیں کیوں بور کرنا چاہتے ہو۔“

گاڑی ایک آئشیں پر رکی تھی۔ وہ دونوں کمپارٹمنٹ سے اتر کر ڈائینگ کار میں جا

بیٹھے۔

”ہاں! کیوں لائے ہو یہاں۔“ فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں بالکل کدھا ہوں۔“

”میرے جانے نہ جانے سے کیا ہوتا ہے۔“

”میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا ہوں۔“

”میں ہمیشہ تو نہیں تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“

”دھنگری بنتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی کا آرڈر

دینے کے بعد وہ پھر بوا۔ ”آپ کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔“

”میری عزت! کیا مطلب!“

”اوہ... معاف سمجھے گا۔ میں بہت زیادہ لفیوز ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ بلکہ دونوں کی عزت سمجھے میں نہیں آتا کہ کس کے ہاتھ میں ہیں۔ میں یہ سمجھے لیجئے کہ آپ کی ہاں یا نہیں پر دونوں کی عزوں“ میرا خیال ہے کہ یہاں ڈائینینگ کار میں اس وقت کوئی عورت بھی موجود نہیں ہے پھر کیوں تم میرا وقت بر باد کر رہے ہو۔“

”اچھا تو سنئے! اگر آپ پاگل ہیں تو تھہر نے کا بھی معقول انظام ہو

”میں جا رہا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بوا۔ لیکن ٹرین حرکت میں آچکی تھی۔ مجبوراً اسے پھر بیٹھ جانا پڑا۔

”مجھ سے ایک حماقت ہو گئی ہے۔“ حمید نے بسور کر کہا۔

”ارے بکوبھی سمجھ۔“

”معاف کرنے سے پہلے گا گھونٹ دوں گا۔ مجھے بورنہ کرو۔“

”اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ آپ کا قہقہی تو ازن بچپن ہی سے گزارا ہوا ہے تو آپ میرے ساتھ کیا بتاؤ گریں گے۔“

”میں سچ سچ پاگل ہو گر تمہیں گولی مار دوں گا۔“

”میں بہت سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

فریدی پکھنے بولا۔ ویر نے کافی کیٹرے لاگر میز پر رکھ دی تھی۔ وہ سگار سلاگار کر اپنے کئے کافی بنانے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑا بڑا لیا۔ ”تم کچھ دیرے کے لئے سامنے والی بر تھہ پر بیٹھے تھے۔“

”جی ہاں! مجھ سیبیہ حماقت سرزد ہوئی تھی۔“

”پھر! کیا بات ہے!“

”کچھ نہیں... میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔“

”اچھا بس اب خاموش رہو۔ بھا! اس جملے میں کون سی الیٰ خاص بات ہے جس کے لئے مجھ سے داد طالب کرنا چاہتے ہو۔ بے شکی باتوں پر تو خنسی آنے سے رہی بلکہ اکثر تو تمہاری عقل پر رہ نے کو بھی دل نہیں چاہتا۔“

”ہائے! پوری بات تو سمجھیے؟“ حمید کراہ کر دیا۔ اور پھر اس نے مغموم ہی آواز میں پوری داستان دہرا دی۔

فرید مسکرا کر دیا۔ ”چلو پر واد نہ کرو۔ اگر مجھے تنہہ مشق بنا کر تم نے جھوڑی سی تفریخ کر لی تو اس میں میرا حرج ہے۔ اب تم اس سے نہایت صفائی سے کہہ سکتے ہو کہ میں ہوٹل کے علاوہ اور کہیں قیام کرنے پر رضامند نہیں۔ بات اس طرح شتم ہر جائے گی۔ تم بھی نرے ڈیوبٹ ہو ڈیوبٹ۔“

”ہائے!“ حمید پھر کراہا۔ ”یہی تو مصیبت کہ آپ کو اس سے دوبارہ بھی مانا پڑے گا۔ اس وقت میری پوزیشن ہو گی۔“

”مانا پڑے گا! کیا مطلب!“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

”وہ منخل ہاپنسل کے میڈیا بکل بورڈ کا چیزیں میں ہے۔“

”کیا؟“ فریدی نے کافی کی پیاسی میز پر رکھ دی۔ حمید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک دیکھ رہا تھا۔

”ہاں! اس میں قطعی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی شامت ہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا

”ماں گو! کیا مانگتے ہو فرزند!“ فریدی کی آنکھوں میں شرارت ناق رہی تھی۔

”واپسی کا کرایہ،“ حمید نے ٹلوگیر آواز میں کہا۔

”ایک بار پھر کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات تمہاری حماقت بہت کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔“

”ہائیں تو کیا معااملہ ٹھیک ہے!“

”بالکل ٹھیک ہے حمید صاحب! اس وقت تو گویا غیب سے مدد ہوتی ہے۔“

”اُرے... وہاں مارا۔“ حمید نے زبردستی ایک زور دار تھقہ لگایا۔

”تو اب مجھ سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کر دینا کہ آپ والد صاحب کے گھرے دوستوں میں سے ہیں۔“

”اچھا تو کیا... قیام بھی کیجئے گا اس کے لیاں۔“

”تمہاری بات تو اسی حضورت میں نہیں گی۔“ فریدی نے کہا۔

”تو پھر آپ کو خوبی بھی بنانا پڑے گا۔“

”خوبی کیا! میں اس سے زیادہ بھی کچھ بننے کو تیار ہوں۔“

”اور اب مجھے ہرگز یہ بتائیں گے کہ اصل چکر کیا ہے۔“

”مجھے ایک پاگل کے متعلق تحقیقات کرنی ہیں، جو اس سال سے رام گلہ کے منخل ہاپنل میں ہے اور آج سے دس سال قبل میڈیکل بورڈ کے موجودہ چیئرمیں نے اس کا داخلہ ہاں کر لایا تھا۔“

”تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں کیا کہوں! جو کہیے وہ کیا جائے۔“

”جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”اچھا تو پھر بعد میں مجھ پر تاؤن کھائیے گا۔“

”مطمئن رہو۔“ فریدی نے کہا اور بجھا ہوا۔ گار سالاگا نے لگا۔ کچھ دیر خاموشی سے سگار کا دھواں بکھیرتا رہا پھر مسکرا کر بوا۔ اس سے پہلے تم کنی با رپا گلوں کے روں ادا کر چکے ہو... خیر ہتاو۔“

”ونہیں کہتے کہتے۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”کچھ نہیں۔ وقت بہت بر با در کرتے ہو۔ کافی دری تک یہاں بیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا آئشیں آقر یا پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔“

”آپ کام بن جانے کے بعد بھی مجھ پر ردار رکھتے رہتے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ چھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ ”کیا آپ مجھے اس پاگل کے متعلق پچھنے بتائیں؟“

”کیا بتاؤں۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا کہ اس پاگل پر ایک عورت اور اس کی بھی کے انواع کا الزام ہے۔“

”اتنی ذرا اسی بات کے لئے کرنل فریدی کو تکلیف دی شی ہے۔“

”میں نے خود ہی تکلیف کی ہے۔ بھی طور پر...! تم جانتے ہی ہو کہ میں نہیں قائم کی خاطر ایک ماہ کی چھٹی ہر گز نہیں لے سکتا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیس میں پھیدگی ضرور ہو گئی۔“

”ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔“

”بہر حال آپ نہیں بتانا چاہتے۔“

”کیا جانا چاہتے ہو؟“

”کیا اس کیس سے تعلق رکھنے والے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔“

”ہاں! ہے تو یہی بات! ورنہ... اوہ دیکھو! اُڑین کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بہت ہی چھوٹا سا آئشیں ہو گا۔ جلدی گروتا کہ ہم اپنے کمپارٹمنٹ تک پہنچ سکیں۔“

یہاں بڑی تپش ہے۔“

جمید نے کافی کابل ادا کیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے انٹیشن پر رکی اور دونوں ڈائینگ کار سے اتر کر اپنے کمپارٹمنٹ میں آگئے۔

”ہم یہاں تو نہیں تھے۔“ فریدی چاروں طرف طرف دیکھتا ہوا بڑا یا۔

”یہیں تھے! بھائی صاحب!“ جمید تنگ آجائے والے انداز میں بولا۔ ”یہ دیکھئے ہمارا سب سامان یہاں موجود ہے۔“

”بکواس!“ فریدی نے جھائے ہوئے لجھے میں کہا۔ ”کیا ساری دنیا میں ہمارا یہ سامان ایسا ہو ستا ہے۔“

”نہیں بھائی صاحب! آپ کی یہ کتاب۔“ جمید نے برتحہ پر سے کتاب اٹھا کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”آہا... لمحیک... ہم یہیں تھے۔ عام آدمی جرمن زبان سے دلچسپی نہیں رکھتے۔“ فریدی برتحہ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے مسافر انہیں گھوڑہ تھے لیکن بوڑھے کا انداز دوسروں سے مختلف تھا۔

فریدی نے پھر کتاب اٹھایا۔ بوڑھا اب جمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ چھوڑی دیر بعد فریدی پھر پہلے ہی کی طرح مطالعہ میں گم ہو گیا۔

جمید اس کے پاس سے انٹھ کر بوڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

”کیوں!“ بوڑھے نے پوچھا۔ ”کیا آپ تیار ہیں؟“

”کیا عرض کروں میری تو ہمت پڑی نہیں کہنے کی۔ ویسے ایک تجویز ہے... میرے زہن... اف فوہ... میری آنکھیں جل رہی ہیں۔ کہیں لوکا اثر نہ ہو گیا ہو۔“

”جب آپ باہر جا رہے تھے۔ میرا دل چاہا تھا کہ روک دیں۔ لمحنگ سے یکنٹ گرمی میں چلا جانا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔“

”کافی! خدا کی پناہ! اس آب ہوا میں۔“

”اب آپ ہی دیکھئے! مجبوراً مجھے بھی پینی پڑی۔ انکار کرنا تو آفت ہی آ جاتی۔ وہ  
ٹھیک ہی مثل ہے کہ چھوٹا بھائی سے بہتر ہے کہ ادمی کتا ہو جائے۔“

”شراب بھی پیتے ہیں۔“ بوڑھے نے پوچھا۔

”اس کے تو نام ہی سے نفرت ہے۔ اگر آپ کی زبان سے شراب کا نام ہی سن  
لیں تو کم از کم اس گلاس میں پانی پسند نہیں کریں گے جسے آپ نے استعمال کیا ہو۔“

”اچھا ہے! ورنہ شراب اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ ہاں ابھی آپ کوں سی  
تجویز پیش کر رہے تھے۔“

”تجویز یہ ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھتے تو ہمارے والد صاحب کے دوست بن  
جائیں اور تمیں اس رشتے کی بناء پر اپنے یہاں قیام کرنے پر مجبور سمجھے۔ شاید وہ ماں  
جائیں گیونکہ والد صاحب کے دوستوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کا نام کمال  
ہے اور میں جمال ہوں۔ والد صاحب کے نام کے لئے آپ میر اسراف فضال کا حوالہ  
دے سکتے ہیں۔“

”سرافضال!“ بوڑھا بڑا ہوا۔ ”آپ لوگ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں  
۔۔۔“

”تمیں خاندان تو کچھ زیادہ اچھا نہیں و یہے اللہ ہے چاہے عزت دے ہے  
چاہے ذلت۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتا۔“

”جھوٹی شیخیاں بگھارنا اپنا مسلک نہیں ہے۔ پشتہ پشت سے ہم لوگ دولت  
مند نہیں رہے ہیں۔ ہمارے دادا صاحب انگریزی فوج میں ایک معمولی سے سپاہی  
تھے۔ ترقی کرتے کرتے بزرگ کے عوادے تک پہنچ گئے تھے اور دادا کے باپ ایک  
معمولی کسان تھے۔“

”تم واقعی بلند خیال اور اعلیٰ کردار کے مالک ہو۔“ بوڑھا مسکرا کر بولا۔

”بہت کم لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔“

”بہر حال گھنے کا مطلب یہ کہ آپ رام گڑھ کے آئش پر اچانک ہم دونوں کو پہچان لیجئے گا۔ یہاں کمپارٹمنٹ میں نہیں۔ ورنہ بھائی کوشہہ ہو جائے گا اور وہ فوراً یہ سوال کر کر بیٹھیں گے کہ آپ نے اتنی دیر میں کیوں پہچانتا... اور وہاں آئش پر وہ یہ بات بھول چکے ہوں گے کہ ہم سب نے ایک ہی کمپارٹمنٹ پر سفر کیا تھا۔“

”اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔“

”جی ہاں۔ قطعنی میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھی بھول گئے ہوں گے کہ ابھی ہم دونوں فائینگ کار میں تھے۔ ہاں مگر وہ کتاب جو جرم یا فرانسیسی میں ہوا سے وہ کبھی اور کسی حال میں نہیں بھولاتے۔ اکثر کہتے ہیں کہ میں کسی جرم کیا فرانسیسی لڑکی سے شادی کر دوں ٹاہم، نہ میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔“

”بھجنی ریکیس انوکھا ہے۔“ بھرپور مغضطر بانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بوا۔

”ایک بار کا ذکر ہے۔“ حمید کوئی لٹینہ پھیسرنے لیے جا رہا تھا کہ اس نے فریدی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔

”خدا خیر کرے!“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا۔ فریدی بھرپور ہی بھرپور مغضطر بانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حمید اسکی طرف بڑھا۔

”تم کہاں چلے گئے تھے۔“ فریدی غرایا۔

”مم... میں... یہیں تو تھا۔“

”میری چھپڑی کہاں ہے۔“

”چھپڑی۔ دیکھنے ہم تین میں ہیں۔“

”آپ... لا جوں والا تو... بھجنی یہ گاڑی کب پہنچے گی۔“

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا۔ اس نے کمپارٹمنٹ کے تین آدمیوں کو ریواں اور نکالتے ہوئے دیکھا۔

”کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرے گا۔“ ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا  
اور بقیہ لوگ جو نہتے تھے بولکھا گئے۔ معاملہ کسی کی بھی سمجھو میں نہیں آیا۔



اردو فینز ڈاٹ کام

## کار پر فائز نگ

فریدی نے مختصر بائی انداز میں پہلو بدلہ جمید کو تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اچانک اس کے سامنے کسی جاسوسی ناول کا کوئی باب مکمل گیا ہو۔ یہ تینوں آدمی کمپارٹمنٹ اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ کافی پینے کے لئے ڈائینگ کار کی طرف گئے۔ غالباً ان کے جانے کے بعد ہی وہ کمپارٹمنٹ میں آئے ہوں گے۔

لگوں کے چہروں پر ہوانیاں اڑ رہی تھیں لیکن جمید نے بوڑھے ڈاکٹر کی حالت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی محسوس نہ کی۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی دونوں لڑکیاں خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔

لقریباً آؤ حصے منٹ تک یہی گیفیت رہی۔ پھر اچانک ان تین نے رویا ور جیب میں ڈال لئے اور ان میں سے ایک نے نہایت سنجیدگی سے گہنا شروع کیا۔ ”یا اور اسی قسم کے وہ سرے انجانے حادثہ... زندگی کا گری اعتبر نہیں۔ آپ سفر پر جا رہے ہیں۔ خوش ہیں۔“

لیکن کسی کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کس طرح آجائے۔ یہ ٹرین کسی دوسری ٹرین سے اڑ سکتی ہے۔ گاڑی پر ڈوکو فل کا حملہ ہو سکتا ہے۔ پھر... کیا ہو گا۔ غفل متداہی ہے جو آج ہی کل کا بندہ بست کر لے۔ کل کا بندہ بست یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے پچھے کسی پر یہاں کاشکار نہ ہوں۔“

”میں اپنی زندگی کا یہ نہیں کراؤں گا۔“ جمید اپنے کانوں میں انگلیاں لٹھونس کر

چینا۔

اور وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر نہیں کریوالا۔ ”حضرت نوح کا لڑکا نظوقان سے بچنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا تھا۔ ہاں تو صاحبان۔ اپنی زندگی کا بیمه کرانا بھولئے... اور زریندہ لائف انشورنس کمپنی کو ہمیشہ یاد رکھیئے۔ ہزاروں آسمانیاں... سینکڑوں کنائیں اور گناہیں...!“

اس نے جیب سے گرینڈ ایکٹ انشورنس کمپنی کا لڑپچر نکال کر کپارٹمنٹ میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو غصہ تو بہت آرہا تھا لیکن نفسیاتی طور پر وہ ایک طرح کی سرو رانگیز طمانیت بھی محسوس کر رہے تھے کیونکہ ابھی ابھی وہ گویا موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔

بُوڑھے ڈاکٹر نے لشکر پیر نہیں لیا جمید نے بھی انکار دیا۔ لیکن فریدی اسکا با تھہ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ... کیا تم اپنی زندگی کا بیمه کر چکے ہو۔“

”قطعی... سو فیصدی... میں ہی نہ کراویں گا۔“  
”اگر تم مر جاؤ... تو تمہارے بچوں کی مالی حالت خراب نہ ہوگی... کیوں؟“  
”قطعی۔ مالی اعتبار سے ان کی حالت بہتر ہی رہے گی۔“

”تو کیا تم سکون سے مر سکتے ہو۔“

”جی ہاں۔ اب مجھے مر تے وقت اب کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی۔“

”تو پھر اب زندہ رہ کرایا کرو گے!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھ گئے۔

”ارے... ارے...“ وہ ایک طرف کھسک کر کھڑا ہو گیا۔

”نہیں! اب تمہاری زندگی بیکار ہے۔“ فریدی بھی اٹھتا ہوا بولا۔ آسکی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی۔ ہونٹ بخپے ہو، تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر بچ پنج خون سوار ہو۔

”کیا بات ہے! کیا معاہلہ ہے!“ اس کے دونوں ساتھی چیختنے ہوئے لپکے۔

”اس کی زندگی کا بیمه کرنے جا رہا ہوں۔“ فریدی غرایا۔ ”اگر تمہیں اپنے بال بچوں کی مالی حالت درست کرانی ہو تو تم بھی آؤ۔“

”فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی اور کمپارٹمنٹ میں خاصی ہڑبوگنگ مچ گئی۔ اس کے ساتھوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی درڑپڑے لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر جما

ربا اور اس کے ہوتوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

بہر حال اس کا گانہ نہیں سمجھنے سکا لوگوں نے اسے الگ کر دیا تھا۔ اور یہ سچنی کا لڑپچر تقسیم کرنے والا دور کھڑا اپنی گردان سہما رہا تھا۔

جمید اس کا شانہ تھکیتا ہوا بولا۔ ”پرواہنہ گرم تم لوگوں کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔“

”جی ہاں جناب!“ وہ ایک طویل سانس لے کر اپنا گا صاف کرنے لگا۔

پھر بولا۔ ”اور ذہر تاک بھی ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت بری طرح پیش آتے ہیں۔“

”لیکن یہ طریقہ... غیر قانونی ہے۔“

”ریو الورٹی ہیں جناب اور پھر ہماری نیت میں فتوڑ نہیں ہے۔ لوگ عموماً ہمیں معاف ہی کر دیتے ہیں۔“

”مگر یہ طریقہ،“ جمید سچھوپنے لگا۔

”اس طرح لوگ ہیشہ ہمیں یا مرکھتے ہیں اور جب وہ اپنی زندگی کا یہمہ کرانے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں لا اکٹ ان سورنس سچنی ضروریاً ہوتی ہے۔ ہمارا طریقہ ابھی تک پچانوے نیصد ہی کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ہم تجھ انہیں انجامے حادثات کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو پھر اپنی کتاب میں ڈوب گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شروع سے اب تک اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر کی تمام توجہ فریدی ہی کی طرف تھی اور وہ ہونوں لڑکیاں بھی جمید کے دل پر چوٹ لگی۔

ڈرین کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ جمید ڈاکٹر کے پاس جا بیٹھا۔

”ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”مسخرے ہیں! لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں نے پہلی بار انہیں رام گدھ کی ریلوے لائیں پر دیکھا ہے اور آج تک اس قسم کے یہمہ ایجنٹوں کے متعلق سچھ سئنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ مگر آپ کے بھائی صاحب اس سے کیوں الجھ پڑے

”تھے۔“

”جمید نہس کر بولا۔“ امرے وہ تو بس یونہی۔ اس سے کہنے لگتے تھم نے اپنی زندگی کا  
بیمه کرا لیا ہے۔ اس نے کہا جی باں۔ آپ بولے پھر اب تمہیں مر جانا چاہیے تاکہ  
تمہارے پچھے مالی فائدہ حاصل کر سکیں۔“

اٹکیاں ہٹنے لگیں اور یوڑھا بھی مسکرا لیا۔

”بھی مجھے شہر ہے۔“ بیوڑھے نے جھوڑی دیر بعد کہا۔

”کس بات پر!“

”ان کی دماغی حالت۔ مجھے خراب نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال میں دیکھوں گا۔“

”کیوں آپ کو شہر کیوں ہے؟“

”ایک بھی بحث ہے! تم آتنا جاؤ گے۔ خرا آپ نے میرے ساتھ قیام کر دو۔“

”تمہارے اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھتا۔“

”ہو سکتا ہے کہ لوگ فراڈ ہوں۔ ہماری پیشائی پر تو یہ بات کوئی نہیں ہے کہ ہم جو

کچھ بھی مہم رہے ہیں اسی کہہ رہے ہیں اور ابھی آپ شہر ظاہر کر رہے تھے۔“

”برخوردار تم غلط تھے۔ میرا یہ مقصود نہیں تھا کہ تم جھوٹے ہو یعنی اوقات لوگ  
کسی اپنے خاصے آدمی کو بھی پا گل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہی ہوتی

ہے کہ وہ عام آدمیوں سے ڈنی طور پر مختلف ہوتا ہے۔“

”مختلف ہونا ہی تو پا گل پن ہے۔“ جمید نے کہا۔

”ہرگز نہیں۔ مختلف ہونا پا گل پن نہیں ہو سکتا۔ ضروری نہیں کہ جو چیز یعنی نہ ہو وہ  
کڑوی ہوگی... ترش بھی ہو سکتی ہے... نہیں بھی اور پھیکی بھی۔ میں اگر یہ کہوں کہ

تم عام آدمیوں سے مختلف ہو تو اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ تمہارے سر پر سینگ ہیں۔

یا تم ایک عدو نہ کے مالک ہو یا آدمی ہی نہیں ہو۔“

”میں سمجھ گیا! آپ بالکل ٹھیک فرمار رہے ہیں لیکن آخر یہ احتلاف کس قسم کا ہو سکتا

ہے۔“

”اُسے دیکھنا اور سمجھنا پڑے گا تم کہہ رہے ہو کہ یادداشت بھی کمزور ہے اس لئے ان کا معاہدہ کئے بغیر میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہ ستا۔“

ٹرین پھر ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ اب پیاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رام گلڈھ کے پیار، بہت دوڑ دھنڈ دیں لپٹے ہوئے نظر آرہے تھے۔  
بیوہ کمپنی کے ایجنت کمپارٹمنٹ سے جا چکے تھے۔

”یہ لوگ بھی عجیب تھے۔“ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”مگر جناب! اس وقت پورے کمپارٹمنٹ میں صرف آپ ہی مضمون نظر آرہے تھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے مذاق ہی تجویز ہوں۔“

”میں بھی تمہاری تعریف ہی گروں گا۔“ بورڑھے نے کہا۔ ”کیونکہ تمہیں اتنا ہوش تھا کہ میری ولی کیفیات کا اندازہ کسکو! کیوں کیسی رہی؟“

”ٹھیک ہی رہی! مجھے بچپن ہی سے روا اور مٹھکے خیز معلوم ہوتے رہے ہیں۔“  
”تمہید نے لاپرواٹی سے کہا۔“

”اوہ! اتب مجھے تمہارا بھی نفیاٹی تجزیہ کرنا پڑے گا۔“

”نفیاٹی تجزیہ...“ حمید آہستہ سے بڑا بڑا یا، ”لا جول والا قوہ۔“

”کیوں لا جول پڑھ رہے ہو۔“

”میں ابھی تک اسے تجزیاٹی نفیاٹی بولتا رہا ہوں۔ اب شرم آرہی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے جاہل ہی سمجھا ہو گا جن کے سامنے اب تک یہ لفظ دہراتا رہا ہوں۔ بتیری چیزیں مجھے غلط ناموں سے یاد آتی ہیں۔“

”کوئی بات نہیں! تمہارا بھی علاج ہو جائے گا۔“ بورڑھا مسکرا نے لگا۔

”میرے خدا کیا خاندان بھر پا گل ہے۔“ حمید بے بی سے بولا۔

لڑکیاں بھی ہننے لگیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک کچھ کہنے کے لئے

بیقرار ہے۔

ٹرین پھر چل پڑی تھی۔ اب مناظر تبدیل ہو گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں جھک رہا تھا۔ اور چاروں طرف سر بزر پہاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جیسا دینے والی آرمی اطیف سی حکی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب کپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بھی بند نہیں تھیں۔

یک بیگ فریدی پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ منظر سانظر آ رہا تھا۔ حمید اٹھ کر اس کی طرف جھپٹتا۔ فریدی بلند آواز میں بول رہا تھا۔ لیکن انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو اپنی آوازنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر خلا میں گھوتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”وہ تمہیک کہہ رہا تھا مجھے بھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا بیمه کر لیتا چاہیئے۔“

”اس وقت تو نامکن ہے بھائی جان۔“ حمید نے کہا۔ ”ویسے آپ کا خیال بالکل درست ہے۔“ فریدی پھر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ حمید پھر اپنی بر تھہ پر آ بیٹھا۔ ٹرین آٹھ بجے رات کو رام گڈھ پہنچی اور بوڑھاڑا کٹر پروگرام کے مقابلہ تجھے ان دونوں سے آنکرایا۔

”میرا خیال ہے کہ تم دونوں سرافضال کے لڑکے ہو۔“ حمید گرجو شنی میں ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

”جی ہاں! اور یہ کمال بھائی جان ہیں۔“

”اوہو! کمال میاں تم تو بالکل بدل گئے ہو۔“ ڈاکٹر نے فریدی کی طرف مصلحت کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن فریدی کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ وہ بہت کی طرح کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کو گھور راتھا۔

”اوہو! بھائی جان۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”یہ نجیب پچاہیں والد مر جوں ان کے

گھرے دوستوں میں سے تھے۔“

”اچھا! فریدی اس طرح جو زنا جیسے اب تک خواب دیکھتا رہا ہو۔ وہ سرے لئے  
یہ وہ جھک کر بڑی ناجزوی کیسا تھا ذاکر سے مصالغہ کر رہا تھا۔

”یقین مانیئے! مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔“ اس نے بھرائی  
ہوئی آواز میں کہا۔ ”تو قع پے کہ آپ میری یہ غلطی معاف کر دیں گے۔“  
”کوئی بات نہیں... کوئی بات نہیں۔“ ذاکر بولا۔

”نہیں کہیئے کہ میں نے معاف کر دیا اور نہ میں ذمی کو فت میں بتا رہوں گا۔“  
فریدی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”معاف کر دیا بھجنی۔“ ذاکر بہنے لگا۔ ”کیا اسی طریقے سے اترے ہو۔“

”جیسا۔“ حمید بولا۔

”کیاں قیام ہو گا؟“

”ہوئیں میں۔“ حمید جواب دیا۔

”کیا؟... سرافضال کے لڑکے رام لدھا کئیں اور ہوں میں قیام کریں۔ ناممکن  
قطعاً ناممکن۔ یہ نہیں ہو ستا! تم میں میرے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔“

”اوہو!... دیکھئے!“ فریدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ ”آپ کو بڑی تکلیف ہو گی۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔ وادی یہ بھی کرنی بات ہوئی۔“ ذاکر نے کہا۔ پھر ان کے  
قلیوں کو بدایات دینے لگا۔

ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو نو  
لڑکیاں بے تحاشہ چہک رہی تھی۔ فریدی اور حمید خاموش تھے۔ حمید کا تو دل چاہ رہا  
تحاکوہ کا کئیں کا شروع کر دے لیکن فریدی بار بار اس کے پیچ پیچ رکھ دیتا تھا۔  
یہاں کافی نیکی تھی اور حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آگیا ہو  
مطلع صاف تھا راونچے پہاڑ سکوت میں ڈو بے کھڑے تھے۔

آج کا دن جمید کے لئے ”عجیب“ ثابت ہوا تھا لیکن وہ اس سے بیخبر تھا کہ رات ”عجیب ترین“ ثابت ہونے والی ہے۔ اچانک ایک موڑ پر دو ٹین فائر ہوئے اور کار کے انگلے مہینوں کے نار بر سٹ ہو گئے۔

کار رک گئی۔ پھر سات آٹھاً دمیوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

”لڑکیوں کو باہر نکال کر مار ڈالو۔“ کسی نے چیخ کر لپا۔ اور بوڑھاڑاً کٹر ہوئوں میں کچھ بڑا کر رہ گیا، جیسے فریدی اور جمید نہ سکے۔

”کیاچ مج بیمه ہی کرنا پڑے گا۔“ جمید آہستہ سے بولتا۔

”یہ دو آدمی اور کون ہیں!“ کار کیا اندر نارنج کی روشنی پڑی۔

”کمال اور جمال۔“ فریدی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

”لڑکیوں کو باہر نکال لو،“ کسی نے پھر لپا۔

بوڑھاڑاً کٹر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کار کے دروازے کھلے اور لڑکیاں نیچے کھینچ لی گئیں۔ ان کے حلق سے ڈری ڈری ہی آوازیں نکل رہی تھیں۔

فریدی اور جمید بھی نیچے اتر گئے لیکن ڈاکٹر بدستور بیٹھا رہا کار کی ہیئت لا گئیں اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنی کچھ دو رکھڑی ہوئی دو کاروں پر پڑ رہی تھی۔

”تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“ ایک آدمی غریا۔ اس کے ہاتھ میں تیناڑیوں تو نظر آ سئتا تھا اور آدمیوں کی تعداد بھی معلوم کی جا سکتی تھی۔ وہ آٹھ تھے۔

”اڑے۔ یہ تو ہی مردوں معلوم ہوتا ہے۔“ کسی نے کہا۔ ”جس نے ٹرین میں میرا گا گھوٹنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ہاتھ پیرو ضرور توڑے جائیں گے۔“

## جنگ اور پسپاٹی

جمید شاٹے میں آگیا گیونکہ اس نے بو لنو والے کی آواز پہچان لی تھی اور یہ آواز اس آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی، جس نے تین میں ریوا اور دکھا کر بیمه کمپنی کی پبلیٹی کی تھی۔

فریدی کے چہرے پر پھر نارجی کی روشنی پڑی۔

”ہاں وہی ہے۔“ ہاں مارہ!“ وہ اسے دبوچ کر ریوا اور ووالے کے سامنے کرتا ہوا بواں جمید بھی پہلے ہی سے تیار تھا وہ ان آدمیوں کی بھیر میں گھستا چلا گیا، ہنہوں نے لڑکیوں کو بھیر کھاتھا۔

”تم سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم کون ہو۔“ ریوا اور ووالے نے فریدی سے کہا۔

جواب میں فریدی کے بازو میں جکڑا ہوا آدمی فصائیں باندھو گر ریوا اور ووالے پر گرا، اور دونوں بیک وقت زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ فریدی نے انہیں سُنھلنے کی مہت نہیں دی۔ دوسرے لمحے میں ریوا اور اس کے قبضے میں آپ کھاتھا۔

دوسری طرف جمید نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ فریدی نے ایک ہوانی فائر کرنا چاہا اگر شما کدر ریوا اور کا وہ چیمبر خالی تھا۔ وہ پے در پے ٹریکر دباتا چلا گیا لیکن ایک بھی فائزہ ہوا۔

وہ دونوں زمین سے اٹھ چکے تھے۔ فریدی ان کے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ فریدی یہ تو فٹ نہیں تھا کہ اسے ان کے اس رویہ پر حیرت ہوتی۔ پھر اچانک وہ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور فریدی اس گیلنے پہلے ہی تیار تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے لگ کر اکر رہ گئے۔ پھر فریدی تیر کی طرح دوسرے مجھے میں جا گھما۔

جمید کو درحقیقت مد کی ضرورت تھی۔ فریدی کے پہنچتے ہی پے در پے کئی جنگیں باندھیں

ہوئیں۔ اچانک کسی نے چیخ کرنا۔ ”وہ گئے... وہ نکل گئے۔“

بہت دور کسی کار کی غصہ میں سرخ روشنی آہستہ آہستہ اندر ہیرے میں گم ہوتی جا رہی تھی۔ معلوم آدمیوں کی کاروں میں سے ایک غالب تھی۔ ”چلو پکڑو انہیں۔“ ایک دوسری آواز سنائی دی اور وہ سب کے سب کار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

”فریدی اور حمید تباہ رہ گئے۔“

”کیا پا گل پن ہے۔“ حمید ہامپا ہوا بڑا یا۔

”عجیب لوگ ہیں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”اور ڈاکٹر نجیب... وہ اس سے بھی زیادہ پراسرار معلوم ہوتا ہے، وہ اڑکیوں اور اپنے ڈرائیور سمیت نکل گیا اور...“ دیکھو شاید وہ دوسری کار بھی اسٹارٹ نہیں ہو رہی ہے۔ ”اور ان لوگوں کی لاپرواں بھی ملا جاتا ہے۔“ ہماری طرف سے بالکل بتخیر ہو گئے ہیں۔ آپ پا گل خانے کا معاونہ فرماتے کے لئے آئے تھے... بابا...“

”دیکھو! وہ پھر ادھر ہی آ رہے ہیں۔“ فریدی ٹھنڈے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب

ہمیں چھپ جانا چاہیے۔“

”اگر انہوں نے سامان پر ہاتھ صاف کر دیا تو...“

مجھ توقع نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی دوسری جانب کی ڈھانن کی طرف سمجھنے لگا۔ وہ زیادہ نیچے نہیں گئے۔ وہ تین بڑے پتھروں کی اوٹ سے وہ سڑک کا حال بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ معلوم آدمیوں نے ڈاکٹر نجیب کی کار بھی اسٹارٹ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی، لیکن انہیں اس میں بھی انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

”بُوڑھا بڑا فشیں ہے۔“ ان میں سے کسی نے جاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”مگر وہ دونوں کہاں گئے۔“

اس کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی نظر وہ میں ”ان

دنوں“ کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

”اب کھک چلو یہاں سے۔“ کوئی بولا۔ ”ورنہ وہ یقیناً پوپیس کے ساتھ وہ اپس آئے گا۔“

”کیا پیدل ہی چنان پڑے گا۔“

اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ خیر دیکھیں گے اسے۔“

”اگر پوپیس کے ساتھ اس واپسی کا مکان ہوتا ہمیں سڑک بھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔“

”چلو۔ وقت نہ بر باد کرو!“

پھر وہ سب دوسری طرف ڈھلوان میں اترنے تھے چلے گئے۔

”میں بھی پاگل ہو جاؤں جناب بھائی صاحب!“ حمید ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بولا۔

”ابھی ہمیں یہیں تھہرنا چاہتے! انفریدی نے کہا۔“ ہو سکتا ہے کہ ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہوں نے یہ تدبیر کی ہو۔“

”او راگر نہیں کی تو میں انہیں پاگل ہی سمجھوں گا۔“ حمید بولا۔

چھوڑی ہی دیر تک خاموشی رہی پھر فریبی نے کہا۔ ”آن کے پاس راندھیں بھی تھیں، جن سے ڈاکٹر کی کار کے ناڑ پھاڑے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے جھوڑے کے وقت انہیں استعمال نہیں کیا۔ ایک ریوال اور صرف دھمکا نے کیلئے استعمال کیا گیا تھا۔“

”صرف دھمکا نے کے لئے۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”محض اس لئے کہ ہ خانی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ یہ مکہنی والے بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو۔“

”اخذ کر لیا۔“

”حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آ رہے ہیں۔“

”خیر پھر بھی یاد کرتا۔“ فریدی نے اپر والی سے کہا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر سڑک کی دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سکنڈ تک اس کے لڑھکنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

وہ جھوڑی دیر تک اور انتظار کرتے رہے پھر تو فریدی پتھروں کی اوٹ سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

فریدی کچھ نہ بولا وہ ڈاکٹر نجیب کی کار میں کچھ تلاش کر رہا تھا... پھر وہ آئندی کی طرف گیا ورنارچ روشن کر کے اس کا جائزہ لینے لگا۔

”سامان تو محفوظ ہے!“ حمید بڑا بڑا یا۔

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا جھوڑی دیر بعد وہ حملہ آوروں کی کار کی طرف جا رہے تھے۔ نارچ کی روشنی کا پر پڑی اور فریدی بولا۔ ”وہی بات ہے، جو میں سوچ رہا تھا

۔۔۔

”کیا سوچ رہے تھے؟“

”کیا تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ یہ کوئی پرائیویٹ کار نہیں بلکہ یہی ہے۔“

”اوہ...!“ حمید اس کے میڑ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فریدی جھوڑی دیر تک اس نیکی میں بھی کچھ دیکھتا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا

۔ ”کافی چالاک لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔“

”بہت کچھ جھوڑا ہے جناب۔“

”لیکن...!“

”ہمیں چھوڑ گئے۔ یہی کیا کم ہے۔“

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سڑک پر روشنی پھیل گئی۔ غالباً وہ تین یا چار کاریں تھیں، جو آگے پیچھے اسی طرف آ رہی تھیں۔ فریدی اور حمید سڑک کنارے ہو گئے۔

آگے والی ایک سیاہ رنگ کی پولیس کا تھی وہ تمہیک ان کے پاس ہی رک گئی۔  
”خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرتا۔“ کار کے اندر سے آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا  
اور یکے بعد دیگرے تین آدمی نیچے اتر آئے۔

”اپنے ہاتھا و پاٹھالو۔“ ان میں سے ایک بولا۔ فریدی نے فوراً اپنے ہاتھا و پر  
اٹھا دیئے اور حمید نے اس کی تقلید کی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریخ بھی  
خاصی رہے گی۔ دوسری گاڑیوں سے بھی اتر رہے تھے۔ ذرا ہی کم دیر میں ان کے  
گرد مسلح کانٹیبلوں کی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

”تمہارے دوسرے ساتھی ہاں ہیں۔“ پولیس افسر نے فریدی اور حمید نے جلدی  
سے کہا۔ ”جی ہاں... گہرے دوست... جی ہاں... بدمعاشوں نے ہماری کار پر  
فائز کر کے اس کے انگلے ناٹر چھاڑ دیئے اور پھر حملہ کر دیا۔ ہم دونوں لڑتے رہے اور  
ڈاکٹر نجیب بدمعاشوں کی ایک گاڑی لے گئے □... جی ہاں!“

”ڈاکٹر صاحب ذرا قریب قریب آئیے!“ آفسر نے مڑے بغیر کہا اور ایک آدمی  
اس کے قریب بیٹھ گیا۔ فریدی اور حمید کے چہروں پر نارشیکی روشنی پڑی۔  
”جی ہاں یہ ہی ہیں۔“ انہوں نے ڈاکٹر نجیب کی آواز سنی۔

”ہاں! بتاؤ تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔“ آفسر نے پھر فریدی سے پوچھا۔

”اوہو!“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کیوں جیسا نجیب یہ کیا معاالم ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ نجیب نے خشک لبجے میں کہا۔ ”یہ لوگ اپنے طور پر تم لوگوں  
پر شہر کر رہے تھے۔

”خیر... خیر... کوئی بات نہیں۔“ حمید غصیلے لبجے میں بولا۔ ”آپ لوگوں کا یہ  
خیال ہے کہ تم بھی ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غلط نہیں جلد ہی رفع  
ہو جائے گی۔“

”اپنے ساتھیوں کا پتہ بتاؤ!“ آفسر گر جا۔

”زبرستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ فریدی باکل خاموش رہا۔  
”اچھا!“ پولیس آفیسر غریباً۔ ان کی تھکڑیاں لگا دو... اور تم لوگ کھڑے کیوں  
ہو۔ انہیں تلاش کرو... جاؤ۔“

مسنان سڑک بھاری قدموں کی آواز بجھنے لگی اور ان دونوں کے ہاتھوں  
میں تھکڑیاں ڈال دی گئیں اور انہوں نے کوئی تعریض نہ کیا۔

”اچھا ڈاکٹر صاحب!“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ ”ہمارا سامان احتیاط سے  
رکھیجیے گا، ہم جلدی ہی پھر ملیں گے۔“

”کیا ان کا کوئی سامان بھی ہے۔“ پولیس آفیسر نے ڈاکٹرنجیب سے پوچھا۔

”جی ہاں! اگر لٹانہ ہو گا تو کار کی اس پہنچی ہی میں ہو گا۔“

”اس سے ہماری کار میں رکھواویجھے۔“ آفیسر بولा۔

”آپ کو پیشہ مانی ہو گی جتنا ب۔“ حمید نے آفیسر سے کہا۔

”خاموش رہو۔“

”اچھا جتنا ب!“

فریدی نے حمید کے پیسے پرانا پیسہ رکھ دیا اور حمید نے خاموشی اختیار کی۔  
آخریاً ایک گھنٹے تک حملہ آوروں کی تلاش جاری رہی، لیکن ان کا نشان بھی نہ ملا۔  
اس دوران میں ڈاکٹرنجیب اپنی کار کے پیسے تبدیل کرا تارہتا۔

لیکن دونوں، ” مجرموں“ کی روائی کے وقت پینے تبدیل نہیں ہو سکے تھے۔ اس  
لئے پولیس آفیسر انہیں وہاں دو مسلح کانٹیبل چھوڑ دیئے اور یقینہ لوگ ” مجرموں“  
سمیت شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمدہ ہی کے الفاظ میں پولیس انہیں راستے بھر ”بُور“ کرتا رہا۔ مگر ان دونوں نے  
چپ سارہدی تھی۔ اچانک کچھ دیر بعد فریدی نے پولیس آفیسر سے کہا۔  
”نابا، کیپن ماچھر کا بلکہ کوتولی کے قریب ہی ہے۔“

”کیوں؟“ آفیسر سے گھورنے لگا۔

”پچھئیں یونہی... مطلب یہ ہے کہ میں کیپٹن ماہر کے علاوہ اور کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں گروں گا۔“

”واہ... رجہ صاحب!“ دوسرے آفیسر نے قہقہہ لگایا۔

”اچھا!“ حمید پچھے کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کا باتھو دبادیا۔ ”ماہر صاحب سے کتوں ای ہی میں ملاقات ہو جائے گی۔ فکر نہ کرو۔“ پہلے آفیسر نے کہا۔  
رام گلڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن ماہر فریدی کیہد وستوں میں سے تھا اور کسی زمانے میں اس کا کام فیلو بھی رہ چکا تھا۔

اس وقت کا کام کتوں میں موجود ہونا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ ڈاکٹر نجیب شہر کی سر برآور وہ شخصیتوں میں سے تھا۔ اپنے ساتھ بیش آنے والے واقعے کی اطاعت برآہ راست ماہر کی دی تھی اور ماہر نے ڈی۔ ایس۔ پی کی سرگردگی میں پولیس کا ایک مسلح دستہ اس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ مگر جب مجرم اس کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، لیکن فریدی نے اسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کر دیا۔ پھر بھی نہیں سانظر آنے لگا تھا۔

پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے گمرے میں آیا جہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی نے ہنس ہنس کر اپنے ہتھلڑیاں لگانے کی واردات بیان کی۔ ساتھ ہی ماہر بھی ہستارہ۔ پھر فریدی نے اس سے کہا کہ وہ ان دونوں کے متعلق کسی کو پچھنا بتائے اور نہ ان سے دوبارہ ملنکیکی کوشش کرے، لیکن اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ان کے رام گلڈھ آنے کا مقصد کیا تھا اور ڈاکٹر کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔  
حکومتی ہی دیر بعد اسی ڈی۔ ایس۔ پی کو ان کی ہتھلڑیاں کھولنی پڑیں، جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔

”میں ملکمن ہوں۔“ ماہر اس سے بولا۔ ”یہ معزز لوگ ہیں۔ انہیں ان کے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوئی تک پہنچا دو۔ میں ان کے اور ان کے خاندان والوں سے ذاتی والوں سے ذاتی طور سے واقف ہوں۔“

”تب مجھے افسوس ہے جناب!“ ڈی ایس۔ پی نے لجاجت سے کہا۔

”کوئی بات نہیں،“ حمید بولا۔ ڈاکٹر غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب ہمیں براہ کرم ہمیں ڈاکٹر کی کوئی تک پہنچانے میں جلدی سمجھے۔“

حصوڑی دیر بعد وہ ایک پولیس کار میں اپنے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوئی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نجیب کوئی ہی میں موجود تھا۔ اس نے ان دونوں کی واپسی کو حیرت کی نظر میں سے دیکھا اور وہ اپنی جوانی تھا اور اگرام کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈی ایس۔ پی خود ان کے ساتھ آیا تھا اور انہیں وہاں جھوڑ کر واپس جاتے وقت اس بڑی لجاجت سے ان دونوں سے معافی مانی تھی۔

”کیا اس واقعے کے بعد بھی یہ ضروری تھا کہ تم لوگ نہیں واپس آتے؟“ ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

”آپ سے وعدہ جو گرچکے تھے۔“ ڈاکٹر نجیب نے ناخنلوار لہجے میں کہا۔ ”میں دیکھوں گا تم زندگی بھر میرے ساتھ رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصود کا میاں نہیں ہو سکو گے۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں سمجھے۔“

ڈاکٹر نے ایک زہریلا ساق قہقہہ لگایا اور اس کے چہرے کی نرمی یکنہت ناٹب ہو گئی۔ پیشائی کا وہ نور جو نرم دلی کی علامت ہوا کرتا ہے تاریکی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ فریدی اور حمیدا سے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

## ڈشمنوں کا ہمدرد

ڈاکٹر چند نے لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

”میں نے ایسے ڈرامے بہت دیکھے ہیں۔ تم لوگوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔“

”آپ نے جانے کیا کہہ رہے ہیں؟“ فریدی نے جواب طلب نظر وہ سے حمید کی

طرف دیکھا۔

”میں کیا بھائی صاحب میں خود حیرت میں ہوں۔ آئشیں پر خود ہی ملے، خود ہی

دعو کیا۔ پھر پولیس کے حوالے کر دیا اور اب... مگر تھہر ہیتے! مجھے یاد آ رہا ہے۔“

”کیا یاد آ رہا ہے!“

”آن بدمعاشوں میں میں نے اس آدمی کو آواز بھی سن تھی جس نے کمپارٹمنٹ میں

گرفتار نہیں کیا۔ اس شور اُن شور کی طرح تقسیم کیا تھا۔“

”اچھا!“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”اسی لئے... فریدی نے حیرت ظاہر کی۔“

”اسی لئے... ڈاکٹر صاحب...!“

”بس ختم کرو!“ ڈاکٹر نجیب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ابھی تمہارے لئے کمرے درست

کراویجے گئے ہیں۔“

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ پھر

حمدید نے اعلیٰ اور حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنمیں دی او جیب سے پانچ

نکال کر اس میں تمبا کو بھرنے لگا۔

”کیا وہ ہمیں پہچانا تائی ہے؟“ فریدی بڑا بڑا لیا۔

”خدا ہی جانے... اور وہ گلرخان ستم پر بھی کہیں نظر نہیں آتیں۔“ حمید بولا۔

”ونہیں حمید ایسے معاملہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔“

”اچھا! دیکھئے! میں بوزہ ہے کوئتوں تاہوں۔“

”لیعنی!“

”یہی کہہوہ ہماری شخصیتوں سے واقف ہے یا نہیں۔“

”میرا خیال ہے کہہوہ ہمیں نہیں جانتا۔“ فریدی نے کہ۔ ”ورنہ وہ ہمیں چیلنج نہ کرتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ زندگی بھر رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔“

”ہاں کہا تو تھا۔“

”پھر تم خود ہی سوچو!“

”ویکھئے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔“

جمید وہاں سے انٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا لیکن یہ بھی خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا، اتنے تین ایک آدمی سے مدد بھیڑھو گئی۔ وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور شاکر ڈاکٹر کا ملازم تھا۔ جمید نے اس سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا۔ اور ملازم نے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ڈاکٹر نے اپنی دو نوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر نے پہ پہانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

”صیئے! جناب پہلے میں سمجھا تھا کہ پولیس اپنے طور پر ہمیں لے جاری ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے، خود ہی ہم لوگوں کے متعلق شبے میں بتا یہیں۔“

”کیا میرا شبهہ غلط ہے؟“ ڈاکٹر نے پر سکون لجھے میں پوچھا۔

”ایس۔ پی۔ ماہر کی تصدیق پر بھی آپ مضمون نہیں ہیں۔ ویکھیے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم آپ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو خود آپ ہی نے کہی تھی۔ مقصد ہے آج کل اس سے بڑے بڑے بک جاتے ہیں۔“

ڈاکٹر بولا۔ ”کوئی بڑی رقم... خیر میں اپنا وقت برداگرنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں شوق سے رہ سکتے ہو۔“

”ہم ان حالات میں یہاں ہرگز نہ ریس گے خواہ بھائی صاحب کو مجھے باندھو ہی کر

کیوں نہ لے جانا پڑے۔“

”باندھ کر کیوں نہ لے جانا پڑے گا۔“

”وہ تو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہاں پنج بج والد صاحب کے دوست ہیں۔“

جمید نے شنیدی سانس لے کر کہا۔ ”آپ نہیں جانتے کہ وہ واپسی میں راستہ بھر گزرتے آئے ہیں۔ میں یہ بات ان کے ذہن نشین کرنا چاہتا تھا کہ آپ ہم پر شبہ کرو رہے ہیں۔ لیکن وہ برابر یہی سمجھتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور ان کے اس خیال کی تائید اس ڈی۔ ایس پی نے بھی کر دی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔“

”خبر وہ!“ بُوڑھا اٹھتا ہوا ہوا۔ اس نے میز کے قریب جا کر فون پر کسی کے نمبر فائیل لئے۔

اوہر جمید لڑکیوں سے کہنے لگا۔ ”نہیں یہاں سے لے جانے کے لئے خاصی ہاتھ پائی کرنی پڑے گی۔ لا جلووا اتو گس محبوبت میں پھنس گیا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں نے نتو سماں میں ہاتھ لگایا اور نہ ہم میں سے کسی کو مار ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ حالانکہ ان کے پاس رائقیں بھی تھیں اور ریو اور بھی۔“  
ڈاکٹر فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنے ہونوں پر انٹی روکھ کر جمید کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دوسری نے ہاتھ اٹھا کر اس قسم کا اشارہ کیا جس کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ تم مشمن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرانے لگیں اور جمید نے بڑے سعادتمندانہ انداز میں اپنے سر کو چھوٹش دی۔

ڈاکٹر ریسیور رکھ کر مرتا ہوا ہوا۔ ”میں نے ابھی ماہر سے گفتگو کی ہے۔“

”یہی کچھ نہ ہوا۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔“ اس نے کیا کہا ہو گا؟“

”یہی کہ ہم سرفناک کے لڑکے ہیں۔“

”اوہ... کیا کہا ہوگا؟“

”اوہ... اوہ...“ حمید کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔ ”ہاں بھائی صاحب اس کے کلاس فیلو بھی تو رہ چکے ہیں۔ اس نے یہ ضرور بتایا ہوگا۔ وہ شروع ہی سے گریک رہے ہیں۔“

”اوہ کچھ... اوہ کچھ!“

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔“

”اس نے بتایا ہے کہ بمال کتوں کا شوقیں ہے اور ان کے بارے میں بہت اچھی معلومات رکھتا ہے۔“

”جی ہاں! ہمارے پاس ایک سوسائٹی ہے جس کے ممبر اپنے اپنے مال میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں پالنا قریب قریب ناممکن ہے لیکن بھائی صاحب... واقعی مال کرتے ہیں۔“

”اچھا...“ داکٹر کے لجھے میں تھنخ تھا۔ ”بھائی مجھے بھی بتانا۔ وہ کس قسم کیلتے ہیں۔ مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی کتوں سے ہے۔“

”مثال کے طور پر۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”افریقی جنگلی نسل کا کتا ڈنگو!“

”خوب تو گویا تمہارے پاس یہ ڈنگو بھی ہے۔“

”جی ہاں!“

”بغرانیہ کی کتاب میں میں نے بھی ڈنگو کے متعلق پڑھا تھا۔“ پروفیسر مسکرا کر بولا۔

”ضرور پڑھا ہوگا۔“ حمید نے اپنے اپنے میری معلومات کو جیلنگ نہیں کر سکتے۔

”آؤ میں تمہیں اپنے کتنے دکھاؤں... اپنے بھائی کو بھی بالا لو۔“ ”ڈیندی! کیا اب صح نہ ہوگی۔“ ایک لڑکی نے کہا۔

”دنیں بھی اور اسی وقت۔“ ڈاکٹر سعید گی سے بولا۔  
سعید سمجھ گیا کہ اس کا کیا مقصود ہے لہذا اس نے بھی کسی قسم کی چیز چاہتے نہ ظاہر کی۔  
وہ رونوں وہاں سے اٹھ کر اس کمرے میں آئے جہاں فریدی ایک صوفے پر نیم دراز  
سگار پی رہا تھا۔

”ڈاکٹر یعنی اپنے کتنے دکھانا چاہتے ہیں؟“ سعید نے کہا۔  
”اچھا!“ فریدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ ”ضرور ضرور۔“ اس کی  
آنکھوں میں اس وقت اس پچے کی آنکھوں کی سی چمک نظر آ رہی تھی۔ جس نے کاس  
روم کی بوریت کے انداز سے اس نے بھی سمجھ لایا تھا کہ وہ کسی قسم کا متحان ہی ہو سکتا  
ہے۔“

ڈاکٹر انہیں عمارت کے اس حصے میں لا یا، جہاں کتنے رکھے تھے۔ اچاکنگ ڈاکٹر  
کے منہ سے ایک عجیب قسم کی آواز نکلی جسے تحریک امیز بیساختکی کے نتیجے کے علاوہ اور پچھے  
دنیں کہا جا سکتا تھا۔

اور اسے متوجہ کر دینے والی چیز رہ کا ایک پائپ تھا، جو رہا دری میں دوستک پھیلا  
ہوا کھائی دے رہا تھا اور اس کا ایک سراہا منہ والے گرے کے دروازے کے پیچے  
غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے کسی مخصوص انداز میں سیٹی بجائی اور اسے بار بار دہراتا رہا... پھر یک  
بیک وہ رہر کے پائپ کے دوسرے رخ کی طرف دوڑنے لگا اور اس کا ساتھ دینے  
میں فریدی نے پہلی کی، پھر سعید کو بھی دوڑنا پڑا۔  
وہ باہر ای ان پر نکل آئے۔

یہاں اندر ہیرا تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر رک گرمایو سانہ انداز میں بولا ”نارچ“، پھر دوبارہ  
عمارت کی طرف بھاگنے والاتھا کہ فریدی نے جیب سے نارچ نکال لی۔  
لیکن شارچ روشن کرتے ہی قریب کی جھاڑیوں میں گویا زلزلہ ہما آ گیا۔

وہ سرے ہی لمحے میں فریدی نارچ زمین پر پھینک کر جھاڑیوں میں جھاناگ اگادی

جمید نارچ اٹھا کر اسی طرف جھپٹا۔ لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جھاڑیوں کا زلزلہ تیز ہو گیا۔ ساتھ ہی انسانی چینیں اور کراہیں بھی فضا میں ابھرنے لگیں۔

پھر کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں دور تک سنائے میں ابھرتی چلی گئیں۔

جمید کو جھاڑیوں میں دو آدمی نظر آئے تھے ایک تو زمین پر بیہوٹ پڑا تھا اور دوسرا فریدی کی مضبوط اگرفت میں کسی بے بس پرندے کی طرح پھر پھر ابھر رہا تھا۔

دونوں کو سمجھنے کر جھاڑی سے نکلا گیا۔

ڈاکٹر اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں جمید نے اسے چھوڑا تھا۔ فریدی نے وہ سرے مجرم کے با تھا اس کی ٹالی سے بندھتے ہوئے جمید سے کہا۔ ”وہاں ایک گیس سلنڈر بھی موجود ہے اور یہ پاپ انی سے اٹھ چکا ہے۔“ ڈاکٹر ایک طویل سانس لیکر آہستہ سے بولا۔ ”وہ سب مر گئے ہوں گے۔“ ”کون؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کتنے! اس کمرے میں کتنے تھے۔ ایسے کتنے جن کا یہاں مانا مشکل ہے۔“

”اور یہ کون ہیں؟“ فریدی نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر نارچ کی روشنی ڈالی۔ اکوئی کے سارے نوکر شور سن کر باہر نکل آئے تھے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر کی لڑکیاں بھی تھیں۔

”میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔“ ڈاکٹر کے لمحے کی سمجھی رخصت ہو چکی تھی۔

پھر اس نے اپنے نوکروں اور لڑکیوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اب کوئی اندر تو نہیں ہے۔“

انہوں نے اُنھی میں جواب دیا اور دیا اور ڈاکٹر نے انہیں تحریک گاہ کی طرف جانے کے لئے کہا۔

وسری طرف فریدی قابو میں آئے ہوئے آدمی سے پوچھ پکھ کر رہا تھا۔  
”جمال صاحب! انہیں چھوڑ دیجئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ ڈاکٹر نے دفعتاً فریدی

کو مخاطب کیا

”اوہو! شاکد آپ فرشتے ہیں۔“ فریدی نے نارج کی روشنی اپنے چہرے پر  
ڈالتے ہوئے کہا۔ ”لیکن یہ دیکھئے... میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔“

اس کی پیشانی سے خون بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

”اوہو... تو تم... اب تک!“ ڈاکٹر مغضظ رہانے انداز میں بولा۔

”چلو... چلو میں دیکھوں... زیرینہ... صبیح تم تجربہ گاہ میں جا کر ڈرینگ  
کاسامان تیار کرو۔“

”ہرگز نہیں!“ فریدی نے کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا۔

”جب تک میں اس سے اس حرکت کی وجہ نہ دریافت کروں گا ڈرینگ نہیں  
کروں گا۔“

ڈرینگ ”وجہ کا علم شاکدان کے فرشتوں کو بھی نہ ہو،“ ڈاکٹر بولا۔ ”یہ کامے کے  
ٹھوڑے ہیں۔“

دونوں لڑکیوں فریدی کی طرف بڑھیں اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑا  
کرایک طرف نگھستے ہوئے کہا۔ ”چلے۔“

”کاش۔“ حمید طویل سانس لے کر آہستہ سے بڑا بڑا یا۔ ”میری کھوپڑی بچ سے  
دوہوٹی ہوتی۔“

”جمال میاں!“ فریدی لڑکیوں کے ساتھ چلتا ہوا پٹ کر بولا۔ ”ان دونوں کا  
خیال رکھنا۔“

”بہت اچھا بھائی صاحب!“ حمید نے جواب دیا لیکن دل میں کہنے لگا۔ ”کاش تم  
بچ پاگل ہوتے۔“

پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا، جو مجرم کے ہاتھ کھول رہا تھا۔

”اوے... اوے! یہ کیا کر دے ہیں آپ۔“ حمید بولکھا اگر اس کی طرف بڑھا۔

”کچھ نہیں! یہی تھیک ہے!“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”تم نہیں صحیح ہے!“

واس کے ہاتھ جو پشت پر بند ہے ہوئے تھے کھول چکا تھا۔ ہاتھ سختے ہی وہ آدمی بے تباشہ بھاگا۔ حمید نے تھپٹا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے پکڑ لیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی انٹھ کر بھاگا، جوڑ میں پر بیہوٹی پڑا تھا۔ تو کر شور مچانے لگے لیکن ڈاکٹر نے انہیں ڈانٹ دیا۔

”میں اس پاگل پن کو نہیں برداشت کر سکتا۔“ حمید آپ سے باہر ہو گیا۔

جواب میں ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ”جاو تم بھی تجربہ کاہ میں جاؤ۔ صینیخ سے کہہ دینا کہ الہاری سے ایک گیس ماسک نکال کر بھجوادے یعنی سب بھی جاؤ۔“ ڈاکٹر نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

”میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے اس کی وجہ بتائیں، درستہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے انہوں نے راہ میں حملہ کیا لیکن ان کے انداز تقاتلانہ نہیں تھے حالانکہ وہ ہے انسانی ہماری زندگی میں ختم کر سکتے تھے۔ انہوں نے سامان بھی نہیں لونا اور اب انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کے انتہائی قیمتی کتوں کا صفائیا کر دیا اور آپ... آپ نے انہیں بھی نکل جانے دیا جو ہاتھ آچکے تھے۔“

”بس اب جاؤ!“ ڈاکٹر ہاتھ ہلا کر بیو لا۔ ”میں تو لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں اور اس تکلیف کی تائی کرنے کی کوشش کروں گا، جو تم لوگوں کو میری ذات سے پہنچی ہے۔“

ڈاکٹر کے اس جملے پر حمید نے وہاں سے چلے چاہا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ ڈاکٹر اب راہ پر آ رہا ہے، اس لئے اسے تاراض نہ کرنا چاہیے ”میں جا رہا ہوں ڈاکٹر! مگر یہ چیز... آپ نے دیکھا نہیں کمال بھائی کا پورا چہرہ

خون میں ڈوبا ہوا تھا اور آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔“

”مجھے فسوس ہے۔ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن میں بہت دلیر، وہاں

راستے میں بھی انہوں نے بڑی بے جگہی سے ان لوگوں پر حملہ کیا تھا۔“

”مگر آپ کا رہ یہ... ڈاکٹر...“

”اوہ نہ! تم اس کی پرواہ نہ کرو... جاؤ۔“

جمید نوکروں کی رہنمائی میں ایک طرف چلی پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت سمجھدی گی  
سے غور کر رہا تھا۔ آخر یہ ڈاکٹر ہے کیا بابا اور وہ لوگ کون تھے۔ فقیناً فریدی اس  
معاملے کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے، لیکن وہاں سے کیوں بتانے لگا۔

جمید نے نوکروں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ خاموش رہے۔ ہر سوال  
کا ان کے پاس ایک ایک جواب تھا ”معلوم نہیں۔“

جمید جھلا گیا، اگر یہ اس کے تو کہوتے تو مارتے مارتے بیدم کر دیتا۔

وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلتا رہا۔



اردو فلز دار کم

## وہ اڑکیاں

تجربہ گاہ میں پہنچ کر صبیحہ اور زرینہ نے فریدی کو ایک آرام کرنی پڑھا دیا۔ فریدی نے اتنی بھی دیر میں اندازہ کر لیا تھا کہ صبیحہ بہت شوخ لڑکی ہے۔

وتوں نے بڑی پھرتی سے پیشانی کا رقم صاف کیا اور خوبی ڈرینگ بھی کرنے لگیں حالانکہ ڈاکٹر نے صرف ڈرینگ کا سامان درست رکھنے کے لئے کہا تھا۔ جس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو ستا تھا کہ واپسی پر خود ڈاکٹر ہی ڈرینگ کرے گا۔

”مال صاحب!“ یک بیگ صبیحہ نے اسے منا طب کیا۔ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ ... پپ... پا...“

”شٹ آپ یہ کیا بگواں ہے۔“ زرینہ جلدی سے بول پڑی۔

”ہاں ہاں کیسے کیسے!“ فریدی بولا۔

”آپ کے چھوٹے بھائی کہتے ہیں کہ آپ... پپ... پا...“

”صبیحہ کی بیگی۔“ زرینہ پیچنی۔

”اچھا جانتے وہ۔“ صبیحہ گردن جھک کر بولی۔

”میں سمجھ گیا۔“ فریدی مسکریا۔ ”غالباً جمال مجھے پا گل کہتا ہو گا۔ کیوں ہے تاہم بات۔“

”نہیں نہیں... یہ غلط ہے۔“ زرینہ نے کہا اور صبیحہ کو گھورنے لگی۔ جواب میں صبیحہ نے اسے منہ چڑھا دیا۔

”اچھا! آنے والی ہی کو۔“

”جھکرا کرنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں اس کا برائیں مانتا۔ میرا پورا خاندان مجھے پا گل سمجھتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس میں میرا حرج ہی کیا ہے... اچھا تو اب میں سمجھا۔ وہ گدھا شامک مجھے اسی لئے رام گلڈھا لایا ہے۔ یہاں کا پا گل خانہ تو کافی مشہور ہے۔“

”ویکھے کمال صاحب!... یہ صیبیم... باکل اچمیں ہے! آپ پسچھا خیال نہ کیجیے۔“

”ہم دونوں پاگل خانے کے چیزیں میں کی لڑکیاں ہیں۔“ صیبیم اپنی بخشی روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ”کمال صاحب! آپ خود سوچئے!“

”تم خاموش نہیں رہو گی۔“ اُزرینہ پھر جھلانگی۔

”اوہ یہ اُزرینہ۔“ صیبیم نے شوخی سے کہا۔ ”بہت زیادہ چالاک لڑکی ہے۔ اس لئے مچھوڑیں اڑ پسچھا کم آیا ہے۔ ویسے میں بھی خاصی پاگل ہوں۔“

قدموں کی آہٹ پر وہ خاموش ہو گئیں اور حمید نے تجربہ گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک ایسی ٹھنڈی سانس لی کہ اسے اپنی کھوبڑی مخدود ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کیوں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”پسچھائیں!“ حمید نے جواب دیا۔ ”بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا بھی پاگل ہو جانے کو دل چاہئے لگا ہے۔ کوئی تدبیر بتائیں...“ اُزکڑ نے ان دونوں کو چھوڑ دیا ... باقی سب خیریت ہے۔“

”چھوڑ دیا۔“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرنے کے لئے اپنی پیلیں جھپکائیں۔ صیبیم بے تحاشہ ہستے گئی۔ پھر قہقہوں کے ساتھ ساتھ بولی۔ ”میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔“

”یہ تو بہت برا ہوا۔“ فریدی نے نشویش آمیز لمحے میں کہا۔ ”ڈاکٹر آدمی نہیں... باکل... باکل وہ معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیا معلوم ہوتے ہیں؟“ صیبیم نے پوچھا۔

”پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی لفظ کی تلاش ہی فضول ہے۔ سارے کتنے مر گئے اور انہوں نے مجرم کو معاف کر دیا۔ خدا کی پناہ۔“

”کمال ہے بھجنی۔“ فریدی اٹھ کر ٹلتا ہوا بولا۔ ”گس دل سے اپنے کتوں کی

الاشیں دیکھ سکیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" صبیحہ بر اسامنہ بنا کر بولی۔ "وہ ہم لوگوں کی الاشیں دیکھ سکتے ہیں، لیکن کتوں کی الاشیں تو ان سے ہرگز نہ دیکھی جائیں گی۔"

"صبیحہ ایک ہدایاتی ساقہ تھے لگا کر بولی۔" میں پاگل ہوں۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی... فریدی کامنٹھکے اڑاتی ہو۔"

زرینہ بر اسامنہ بنائے ہوئے ایک الماری کی طرف، غالباً وہ یہس ماسک نکالنے  
چارہی تھی۔ حمید صبیحہ کی طرف آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" صبیحہ نے چیخ کرنے کے سے انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں! بھاۓ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ بھوک لگ رہی ہے۔"

"فکر نہ پہنچا! یہ تو پہاذا فاقہ ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہتے ہی والا تھا کہ زرینہ چیخ مارا سکے سامنے آگری۔

"سماں پا!" وہ اٹھتے اٹھتے پھر چیخی۔

کھلی ہوئی الماری سے ایک سیاہ رنگ کا سماں پا نکل رہا تھا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا  
ہو گیا اور صبیحہ بدھوا کی میں زرینہ کو دروازے تک گھسیت لے گئی۔ نوکر برلنڈے  
میں تھے۔ چیخ سن کر وہ بھی تحریک گاہ میں گھس آئے۔

"اوہو!،" فریدی پر سکون آواز میں بوایا۔

حمدید اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور  
دکھائے گا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا چشم زدن میں ہوا۔ کسی کی سمجھو میں نہیں آئے کہ فریدی کا ہاتھ  
اس پر پڑا۔ وہ تو بس اس کے دابنے ہاتھ میں ایک بڑا سا چھوٹا لکھتا دیکھ رہے تھے۔  
اس کے سر کا نچلا حصہ اس طرح چٹکی میں دبارکھا تھا کہ سماں پا کھلا ہوا منہ کس طرح  
بندھی نہیں ہو سکتا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ زرینہ پھر چھپی۔

”بھائی صاحب! بھائی صاحب!“ حمید نے خوفزدہ کی آواز میں بانک لگائی۔

فریدی نے سانپ کو ایک جھنکا اور دے گرفرش پر ڈالی دیا۔ رینگنا تو وہ رکی بات تھی اب وہ اہریں بھی نہیں لے سستا تھا۔ صرف دم میں خفیف سی لرزش باقی تھی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر الماری کی طرف چل گیا۔

پھر شامکدو یا تین منٹ بعد وہ عدد گیس ماسک لئے ہوئے باہر جانے لگا۔

”نہیں میرا انتظار کرو۔“ اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمدید اپنے سر کو خفیف سی جنبش دیکر پھر سانپ کی طرف دیکھتے لگا، جو غالباً اب مر چکا تھا۔

”کیا یہ زندہ ہے؟“ زرینہ نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”نہیں اس کی ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں سے الگ ہو گئی ہوں گی۔“ بھائی صاحب اس فن کے ماہر ہیں۔

حمدید نے صبیحہ کی طرف دیکھا، جو اپنے خشک ہونتوں پر زبان پھیبر رہی تھی۔

”کیا الماری متفعلی تھی؟“ حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

”جی ہاں!“ اس نے جواب دیا۔

”کیا ڈاکٹر سانپوں پر بھی تجربہ کرتے ہیں؟“

”نہیں کبھی نہیں۔“

تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سانپ کسی نے یہاں رکھا تھا اور اس صورت میں اس کے علاوہ اور وہ کیا کہا جا سستا ہے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے، جنہوں نے کنتوں کے کمرے میں گیس چھوڑی تھی۔ وہ جانتے رہے ہوں گے کہ گیس ماسک اسی الماری میں ہیں اور نہیں ایسی حالت میں وہ نکالے جائیں گے۔

حمدید خاموش ہو کر لڑکیوں کی طرف دیکھتے رہے اگلے لیکن انہوں نے اس کے خیال پر

رائے رنی نہیں کی۔ فعلاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی سانپ کے کھلے منہ کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات سوچی ہو کیونکہ حمید بھی دوسرا ہی لئے بجلی کے باب کی طرف اٹھا کر اس کے کھلے ہوئے دہانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سانپ کے منہ وانت نہیں تھے۔ حمید نے مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی اس کے منہ میں ڈال دی۔

اور پھر ایک ٹویل سانس لے کر مردہ سانپ کو فرش پر ڈال دیا۔

حقیقتاً اس کے وانت نکال دیئے گئے تھے اور وہ صحیح ایک پچھوئے ہی کی طرح بیہر رہتا۔ زرینہ اور صبیحہ اس کی حرکتوں کی عجیب نظر وہ سے دیکھ رہی تھیں۔

حمدید سوچ رہا تھا کیا ڈاکٹر انہیں اپنے یہاں سے بھگانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ ان دونوں مجرموں کو چھوڑ دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے؟

وہ رات انہیں تحریر گاہ میں بسو کرنی پڑی۔ ڈاکٹر نے کسی کو بھی کوئی میں نہیں جانے دیا۔ اس کے خیال میں اپری کوئی گیس سے متاثر ہو گئی تھی۔

فریدی ایک بھی آدمی کا بہترین رول ادا کرتا رہا۔ اس نے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا نہ کرہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی مردہ سانپ کو دیکھ کر اس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اس نے اسے مار ڈالا تھا۔ اس نے ڈاکٹر سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ متفعل الماری میں کس طرح پہنچا ہو گا۔

دوسری صحیح جب حمید اور فریدی میں ایک پھیلی رات کے واقعات کا مذکور چھیڑ دیا۔

”کیا آپ نے دیکھا کہ سانپ کے منہ میں وانت نہیں تھے؟“ اس نے کہا۔

”ہاں! میں نے دیکھا تھا۔“

”اوہ! لڑکیوں کے بیان کے مطابق الماری متفعل تھی۔“

”رہی ہو گی۔“ فریدی نے اپر والی سے کہا۔

”تو پھر یہی سمجھنا چاہیے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں قیام کریں۔“

”اوہ! تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے واقف ہے۔“ فریدی بواہ۔

”پھر کیا سمجھو!“

”میرا خیال ہے کہ وہ نہیں نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو اس فتح کی حرکتیں ہرگز نہ کرتا۔“

”تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب ماقعات کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔“  
”ہو سکتا ہے۔“

”آخر آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔“ حمید جھنچھلا گیا۔

”حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم ہی کچھ روشنی ڈالو۔“

”اگر آپ کے یہاں آنے کا متعدد معلوم ہو جائے تو ڈال سکتا ہوں ہوں روشنی۔“  
حمدید اکڑ کر بواہ۔

”متعدد بھی بتا چکا ہوں۔“

”اچھا تو یہ بھی بتاؤ سچیے کہ وہ پاگل کس فتح کا ہے جس میں آپ پہنچپی لے رہے ہیں اور اس کی اصلاحیت کیا ہے۔“

”ونہہ! ختم کرو... ڈاکٹر اپنی طرف آرہا ہے۔“

ڈاکٹر نجیب انہیں کی طرف آرہا تھا لیکن جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”بلو! کمال رخم کیسا ہے!“ اس نے ان کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”ٹھیک ہی ہے!“ فریدی نے اپر والی سے کہا اور صرپر بندھی ہوئی پٹی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

”مجھے افسوس ہے۔“

”افسوس! اس بات پر۔“ فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔

”چھپلی رات کے واقعات۔“ ڈاکٹر کے اندازو میں چکچا ہٹ تھی۔

”اوہ!“ فریدی ایک مختصر سے قبیقے کے ساتھ بولے۔ ”مجھے ایسے واقعات سے بڑی وجہتی ہے۔ ذہنی درزش کے ساتھ اگر جسمانی درزش بھی نہ ہو تو آدمی کامل ہو جاتا ہے۔“

”تو تم... ذہنی درزش بھی کرتے ہو۔“

”جی ہاں! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میرے خاندان والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔“  
فریدی نے قہر آلو اظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا ”اور نا اب اس گدھے نے  
آپ کو بھی اسی غلط ہنسی میں بتایا کرنا چاہا ہے۔“  
”دنیں... دنیں...!“

”آپ کی صاحبزادی محترمہ صبیحہ مجھے بتا چکی ہیں۔“

”اوہ... وہ بڑی شریں ہے۔ تم اس کی باتوں پر وصیان نہ دو۔“

”آپ پاگل خانے کے میدانیکلیں بورڈ کے چیز میں ہیں نا۔“

”ہاں... آپ...“

”اور شاکر اسی لئے میں یہاں لایا گیا ہوں کہ میر اعلان کیا جائے۔“  
فریدی کا لہجہ خوشگوار ہو گیا۔

”دنیں... بھی... وہ تو تم اتنا قاتماجھے اٹھیش پر ملے تھے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”خیر... خیر...“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن آپ میری ذہنی حالت ٹھیک کرنے پر اپنا وقت نہیں برباد کریں گے۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس کو فرانسیسی اور جرمن کا لفظ بھی سنایا ہو۔“

”کیا وہ بھی غلط ہے۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

”سو فیصدی غلط... شخص مجھے غصہ دلانے کے لئے کہتا پھرتا ہے کہمیں فرانسیسی  
اور جرمن سے نا بلد ہوں۔“

”مگر... بھی... کچھیں... کچھیں...“ ڈاکٹر فراں جنجل گیا۔ کتاب کا واقعہ  
ٹرین سے متعلق تھا اور ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے اسیشن پر اتفاقاً ملاقات  
ہو گئی تھی۔

”نہیں بتایے کون سی کتاب۔“ فریدی چھپھلا کر بولا۔  
حیدر نے ڈاکٹر کو آنکھ مار کر فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا لیکن فریدی نے  
جھاہٹ میں نہ صرف اس کا ہاتھ ہنا دیا بلکہ ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی کوشش کی۔  
حیدر اچھل کر ڈاکٹر کے پیچھے ہو گیا۔  
”اے... اے...“ نہیں۔ ڈاکٹر نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تو آپ اس سور کو بھی تو سمجھائیے کہ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ مجھے تمام جگہوں  
پر ذہل کرتا پھرتا ہے۔“

”میں سمجھا دو گا۔ نیز سے جانے دو۔ تم ابھی ذہنی دریش کی بات گر رہے تھے۔“

”جی ہاں۔ کیا وہ بھی پا گل پن کی بات تھی۔“  
”نہیں... نہیں... قطعی نہیں۔“

”ذہنی... دریش۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں پہلی رات کے واقعات پر  
ذہنی دریش کرو رہا ہوں۔ کمرے میں گیس ڈال کر کتوں کو ختم کیا گیا۔ پھر اس الماری  
سے سانپ برآمد ہوا جس گیس ماسک رکھے ہوئے تھے اور سانپ بھی کیسا، جس کے  
دانٹ پہلے ہی توڑ دیتے گئے تھے اور پھر آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرم بھی  
چھوڑ دیتے۔“

## پاگل کا نشانہ

ڈاکٹر نجیب چند لمحے اسے خاموشی سے گھورتا رہا۔ پھر مفظعہ بانہ انداز میں بولا  
۔ ”آؤ... چلو۔ میں اس کے متعلق اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”چیز! فریدی بولا

وہ ڈرائیور روم میں آئے جہاں ناشتہ میز پر لگایا جا پکا تھا اور لڑکیاں شاکنڈل میں کی  
منتظر تھیں۔ صبیحہ حمید کو دیکھ کر مسکرانی اور حمید بھی مسکرا دیا۔ ڈاکٹر خیالات میں سکھوا  
ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے پھر ڈاکٹر بولا۔

”ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔“

”کیا کہہ رہا تھا۔“ فریدی نے سوچنے کے سے انداز میں اپنی پیشانی پر شکنیں  
ڈال دیں۔

”پہلی رات کی باتیں ہن پر تم ذہنی دریش کرتے رہے ہو۔“

”آہا ٹھیک! میں ان واقعات کو سمجھنی میں بھول سکتا تھا، میں اس لئے کہ وہ تحریر انگلیز ہے  
... انتہائی تحریر انگلیز۔ ورنہ میں ہر بات بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ جب تم آئیں  
سے اس طرف آرہے تھے تو ہم پر چند نا معلوم آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ ان میں سے  
ایک کی آواز بالکل ایسی ہی تھی جیسے یہ سمجھنی کے اس ایجنسٹ کی جو میں ٹرین میں ملا تھا۔“

”ڈاکٹر صاحب اس واقعے سے ہوا اتفاق ہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔

اس پر فریدی نے یہ سمجھنی کے ایجنٹوں کی عجیب و غریب حرکت کا تذکرہ کرتے  
ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ایک وہ ایجنسٹ ضرور تھا جس نے  
کپارٹمنٹ میں روپالوں کا لاتھا۔ اچھا دوسری بات... انہوں نے ہمارے سامان  
میں با تھوٹنیں لگایا۔ اور نہ ہی ہمیں جان ہی سے مارنے کی کوشش کی، حالانکہ ان کے  
پاس اسلیے بھی تھے۔ پھر یہاں کوئی میں کتوں پر آفت آئی۔ الماری سے سانپ برآمد

ہونے کا مقصود یہی تھا کہ اس واقعے کے بعد آپ لوگوں کو ایک دوسرے حاوٹ سے دو چار کیا جائے، درست وہ سانپ اسی الماری سے کیوں برآمد ہوتا جس میں گیس ماسک رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کتوں والے واقعے کے بعد گیس کی ضرورت پیش آنی لازمی تھی۔

مگر اس سانپ کا مقصود؟ آپ خود ہی فرمائیں کہ اس کے دانت کیوں نکال دیے گئے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرموں کو کیوں چھوڑ دیا۔“ فریدی خاموش ہو کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”وہ تم میں صرف خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔“ ڈاکٹر آہستہ سے بولا

”کون“

”چند ما معلوم آئی۔“

”کیوں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟“

”تاکہ میں یہ کوئی چھوڑ دوں۔“

”کیا یہ کوئی گرائے پر حاصل کی گئی ہے۔“ فریدی نے اپوچھا۔

”نہیں میری اپنی ہے۔ اب سے پہلے سال قبل میں نے اسے خریدا تھا۔“

”کون ہیں وہ بیہودے، جو آپ سے آپ کا مکان چھیننا چاہتے ہیں۔ مجھے بتائیں۔ میں ان سے سمجھ لوں گا۔ کیپن ماہر میرے گھرے دوستوں میں سے ہیں۔“

”تم نہیں صحیح! میں خود بھی پولیس کی مدد لے سکتا تھا۔“

”چھر کیوں نہیں لی!“

”یہ ہے! میں نہیں چاہتا کہ پولیس کو اس کا علم ہو!“

”سمال کرتے ہیں۔ امرے ان خطرناک حالات میں رہنا آپ کو پسند ہے۔“

”یہ ایک راز ہے!“

”لیکن۔ میری یہ چوت!“ فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھرنا ہوا ہوا۔ ”مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں ماحر کو اس کی اطاعت دے دوں۔“

”خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔“ صبیحہ بول پڑی اور ڈاکٹر سے قبر آلو ناظروں سے گھورنے لگا۔

”میں ضرور اسے مطلع کروں گا۔“

”تم میرا کہنا نہیں سنو گے... سرافضال...“

”سینے کو آہی۔“ فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آخر وہ راز کیسا ہے؟“ ڈاکٹر جھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”تم مجبور کرد گے تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ان حرکتوں پر اتر آئیں گے۔ ورنہ میں ہیں کبھی بیباں نہ لاتا۔“

”ہو ستا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آہی سکوں۔“ فریدی نے کہا۔

”میں بتاؤں گا انگر پچھلے تو دسہ کرو کہ یہ بات صرف تم رونوں ہی تک رہے گی۔“

”سن رہے ہو۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھ کر غریباً اگر تم نے یہ بات کسی سے کہی تو بہذیاں بہیاں ایک گردوں گا۔“

”میں کسی سے نہیں کہوں گا۔“ حمید نے سعادت مندانہ لمحے میں کہا۔

فریدی پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا اور ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔ اس عمارت میں کہیں پر ایک بہت بڑا دفینہ ہے۔“

”دفینہ!“ فریدی نے آہستہ سے دہرا لیا اور اس کا چہرہ یک بیک سرخ ہو گیا۔

آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک نظر آنے لگی۔ لیکن حمید خوب سمجھتا تھا کہ یہ تغیر قطبی بناؤں ہے۔ اس کا جذبہ بات سے کوئی تعلق نہیں۔

”دفینہ!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”میں نے یہ عمارت بھری جہاز کے ایک انگریز کپتان سے خریدی تھی۔ وہ بیباں تہار بتا تھا اور جس دن اس نے مجھ سے رقم وصول کی تھی،

اس سے پندرہ دن بعد کوئی خالی کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ تیرے ہی دن اسی کوئی میں مردہ پایا گیا۔ کسی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس کا مازم بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ سے پر اسرار آدمی تاریک راتوں میں کوئی کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے رہے ہیں اور انہوں نے کئی جگہ کی کھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوئی کے اندر گھس آتے تھے۔ وہ ایک بار انگریز کپتان کو ان پر گولیاں بھی چلانی پڑی تھیں۔ لیکن کپتان نے ان واقعات کی روپرٹ پولیس کو بھی نہیں دی، بہر حال کوئی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس نے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر مجھے قبضہ مل گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی مصائب کا شکار ہوا پڑا۔ شروع شروع میں کچھ لوگوں نے کوئی خریدنے کی پیشگش کی۔ پھر مجھے غائبانہ طور پر دھمکیاں ملنے لگیں۔ پھر ہمچیک سال ہو گئے ان بکھیروں میں پڑے ہوئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ نتوں ابھی تک وہ لوگ ہی کامیاب ہو سکے اور نہ میں ہی۔ وہ اکثر چوروں کی طرح کوئی میں گھس کر اسے تلاش کرتے رہے ہیں۔ امتحان میں نے اکثر کوئی کو ایک ایک ہفتہ کے لئے بالکل خالی چھوڑ دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ میں نے ان کی تلاش کا سلامابھی جاری ہے۔ پھیک سال سے... خدا کی پناہ... اور اب وہ اس بات پر اتر آتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو، مجھے کوئی خالی کرائیں۔“

ڈاکٹر خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کے چہرے پر اب بھی جوش کے آثار تھے۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”پولیس کو اطلاع نہ دینی چاہیے۔ ورنہ پوری کوئی کھوڑا لی جائے گی۔ دفینہ نہ ہوتی بھی پولیس یہ جانا چاہے گی کہ آخر وہ اس میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”بالکل یہی بات میں بھی سوچتا ہوں۔“ ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی۔

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔“ صبیحہ مایوسانہ انداز میں بولی۔

”تم چپ رہو۔“ ڈاکٹر نے اسے ڈانٹ دیا۔

”ذیلی میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”نصرور ہو جاؤ۔“

”آپ پاگل نہیں ہو سکتیں۔“ فریدی نے اسے اطمینان دالا۔ ”بس دیکھتی رہیے کہ میں کیا کرتا ہوں۔“

”آپ کیا کریں گے؟“ صبیحہ نے منځکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا  
”میں ان گیدڑوں پر موت بن کر گروں گا۔“ فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا  
”میرے پاس ریوالور ہے۔ میں اس کا لائسنس رکھتا ہو۔ میراثنا نہ بڑا شامدار ہے۔  
جمال ذرا لمحنا تو... شباباش!“

فریدی نے جیب سے ریوالور کا لیا تھا۔ ڈاکٹر نے حیرت سے دیکھنے لگا۔

جمید بدستور بیٹھا رہا۔ فریدی نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ پھر سمجھنے لگا ہوا  
کمرے کے درمیں سرے تک لے جاتا ہوا لام۔ شید ہے کھڑے ہو جاؤ۔“

جمید نے چپ چاپ لفیل کی، ویسے اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے  
 والا ہے۔ فریدی نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر جمید کے سر پر رکھ دیا اور جمید کے  
پیروں تلے سے زمین نکل گئی... فریدی اس گلاس پر نشانہ لگانے جا رہا تھا۔

”کیا کرنے جا رہے ہو تم؟“ ڈاکٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”نشانہ دیکھنے میرا۔“

”ارے نہیں... خبردار!“ ڈاکٹر اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ مگر فائز ہو چکا تھا۔

گلاس کے پر زے اڑ پچکے تھے اور جمید کھڑا اپنا سر سہما رہا تھا۔

”اگر تمہارا ہاتھ بہک جاتا تو... بولو!“ ڈاکٹر نے فریدی کو چھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”یہ نالائق مر جاتا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”اور مجھے خوشی ہوتی۔ اچھا  
آپ ہی فرمائیے کیا آپ کسی پاگل آدمی سے ایسے نشانے کی تو قع کر سکتے ہیں۔“

”دنیں۔ ہر گز دنیں۔“

”اوڑیہ گدھا مجھے پا گل کہہ کر بد نام کرتا پھر تا ہے۔“

”میں نے کب کہا تھا کس سے کہا تھا۔“ چمید جھاکر بولا۔

”کیوں محترمہ صبیحہ!“ فریدی صبیحہ کی طرف مڑا۔

”اوہ ہوا۔ میں سمجھ گئی تھی کہ یہ مذاق کر رہے ہیں۔“ صبیحہ نے جواب دیا۔

”بہر حال کہا تھا۔!“

”دنیں کہا تھا۔“ ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ ”صبیحہ تم آخر شرارت سے باز کیوں  
دنیں آئیں۔“

صبیحہ پکج دنیں بولی۔

”کیون تو اور دکھاؤں!“ فریدی نے کہا۔ ”اس کی ناک پر سکت رکھ کر۔“

”دنیں... دنیں... میں اس کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”مجھے

یقین ہے کہ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔“

”خیر۔ ہاں تو آپ مجھے بتائیے! وہ لوں لوگ ہیں۔“ فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

”اس سے کیا فائدہ ہو گا۔“

”میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کروں گا۔ انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ تمہاریں

ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب

تک کہ اس تصفیہ نہ ہو جائے۔“

”میں کیسے بتاسکتا ہوں جب کہ وہ بھی کھل کر سامنے آئے ہی نہیں۔“

”انہیں تو آپ جانتے ہی ہوں گے جنہوں نے یہ کوئی آپ سے خریدنے کی

کوشش کی تھی!“

ڈاکٹر جھوڑی دیر تک پکجھوڑو چتار بآپھر بولا۔ ”ان میں سے صرف ایک آدمی یہاں

موجود ہے لیکن تم آخر اسے کس طرح مرعوب کرو گے۔ وہ یہاں کا ایک ذی دیشیت

آدمی ہے۔“

”آپ اس کی پرواہ نہ سمجھیے۔ صرف پتہ بتا دیجیئے۔“

”نہیں سمجھی! اگر تم کوئی غیر قانونی حرکت کر دیجھ تو۔!“

”نہیں! میں پاگل نہیں ہوں۔ حالانکہ لوگ مجھے بچپن ہی سے پاگل سمجھتے آئے ہیں۔ مگر یہ تو سوچئے کہ امر میں پاگل ہوتا تو مجھے ریو اور کالائنسس کیسے مل جاتا۔“

”میں تم میں پاگل نہیں سمجھتا!“ ڈاکٹر نے پلکیں جھپکا کیے۔

”تو پھر بتا دیجھے!“

”سردار محمود... وہ یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے۔“

”پتہ بتائیے!“

”جس سے پوچھو گے بتا دے گا۔ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔“

”اچھی بات ہے اے میں دیکھو گا!“ فریدی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر

بڑا بڑا آیا۔

”مگر تم کرو گے کیا؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”اس سے زیادہ پریشان کروں گا، جتنے آپ اب تک ہو چکے ہیں!“

”دیکھو سمجھی! میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں! اب تم اپنی زبان بند رکھنا۔“

”زبان تو بند رہے گی! لیکن میرے ہاتھ نہیں باندھے جاسکتے۔“ سردار محمود کے

یہاں بم کیوں نہ پہنچیتا جائے۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔

”نہیں انہیں!“ ڈاکٹر اور اس کی لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

”کوئی مرے گا نہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”وہ دھوکیں کا بم ہو گا۔“

”دھوکیں کا بم لاوے گے کہاں سے!“ ڈاکٹر نے کہا۔

”میں سائنس کا گردبیویٹ ہوں۔“ فریدی نے خریہ انداز میں کہا۔

”لیکن تم خود بنالوگے۔“

”قطیعی!“

”نہیں۔ میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔“

”آپ مشورہ دیں یا نہ دیں۔“ فریدی پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”اس زخم سے خون بہاتھا اور اب تکلین بھی محسوس ہو رہی ہے۔“

جمید نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں ہیں۔

ناشستے کے بعد ڈاکٹر اپنے ذاتی ہسپتال کی طرف چلا گیا۔ فریدی اور جمید ان پر

اُبیٹھے

”کیا خیال ہے!“ جمید نے فریدی سے کہا۔ ”لڑکیوں پر رنگ تو خوب جمایا ان دونوں میں عشق کرنے کی صلاحیت نہیں معلوم ہوتی۔“

”اس سے میرا وہ مقصود نہیں تھا، جو تمہارے ذہن میں ہے۔“ فریدی نے خشک لبجھ میں کہا۔

”اچھا اس کہانی کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”عرف عام میں ہم اسے بندل کھیں گے۔ بچوں کو بہلانے کی کسی باتیں اور اسی لئے میں نے بھی اچھل کرائے یقین دا دیا تھا کہ میں باکل چغدا ہوں۔“

”خیر مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا۔“ جمید جمیدگی سے کہا اور فریدی نے اس کی پیچھے پر ایک گھونسہ جمادیا۔

برآمدے سے صبیحہ نہیں دیکھ رہی تھی، جیسے ہی فریدی کا گھونسہ جمید پر پڑا وہ ”ہاں۔ ہاں“ کر کے دوڑی۔ اس پر فریدی نے اس کے قریب پہنچتے پہنچتے دو چار ہاتھ جھاڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جمید بچ پچ جھاگیا۔ صبیحہ ان کے درمیان میں آگئی۔

”آپ ہٹ جائیے براء کرم۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جمال صاحب آپ سے کمزور ہیں۔“ صبیحہ نے پوچھا۔

”آپ خوانواد...“

”خیں کمال صاحب آپ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کو بھی غصہ سکتا ہے۔“

پھر اس کا ہاتھ پکڑا کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ”چلے! میرے ساتھا یہے بڑے بھائی پر خدا کی مار۔“

فریدہ بی ویز لکھڑا اور وہ جمید کو بھی کی طرف کھینچت لے گئی۔

اردو فینز ڈاٹ کام

## دھماکہ

صعیید نے لاٹھیری بی میں پہنچ کر حمید کو ایک گرسی میں دھکلیں دیا اور اپنے چہرے پر سے بالوں کی وہ لٹھ ہٹاتی ہوئی بولی، جو بار بار اپنی جگہ سے ہٹ کر چہرے پر جھوول جاتی تھی۔

”اگر میں سامے قینچی سے اڑا دوں تو کیسی رہے۔“

”ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”ایک مسئلہ؟“

”میں اس سے ایک مصنوعی موچھہ بناؤں اور پھر پھر بھیں مدل کر ان لوگوں کی جماعت بناؤں جو دینے کے چکر میں ہیں۔“

صعیید ہنسنے شروع۔ پھر سنجیدہ ہو گر بولی۔ ”تو آپ کو بھی اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔“

”کیوں! یقین کیوں نہ ہوتا۔“ حمید یک بیک اور زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

”کچھ نہیں... کوئی بات نہیں... ہاں تو میں یہ سمجھنے والی تھی۔ آخر آپ اتنے سعادتمند کیوں ہیں؟“

”نہیں آپ مجھ سے اسی کہانی کی بات سمجھئے۔“

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں گیونکہ اس کہانی کا آغاز میری پیدائش سے قبل ہوا تھا۔“

”آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔“

”ہاں میں یہ چھپا رہی تھی کہ میں مر جانے کی حد تک بورہ ہو چکی ہوں۔“

”ڈیڈی یہ کوئی چھوڑتے ہیں اور نہ... میں کہتی ہوں گیوں نہ ہم اس موضوع پر خاموش ہی رہیں۔“

”جیسی آپ کی مرضی!“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔

”مگر مجھے آپ پر پر حرم آتا ہے۔“

”کیوں!“

”آپ کے بھائی صاحب پاگل ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کے ساتھ ان کا برداشت انتہائی افسوسناک ہے۔ میں اسے سعادتمندی نہیں بلکہ بزدلی سمجھتی ہوں آپ چپ چاپ پڑتے رہتے ہیں۔ چھپی چھپی... بلکہ لا جول والا توہ۔“

”میں کیا کروں۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہیں۔“

”طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہمت چاہیے۔“ صبیحہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ یہ لڑکی بھی نوعیت کے اعتبار کیتا معلوم ہوتی تھی یعنی وہ اس جیسے آدمی کو بھی گھنے کی کوشش میں اتنا رانی تینا ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔

”ہمت اہمت سے کیا بنتا ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد تشویش کرن لجھے میں بوالا۔

”جوڑو سمجھتے ہیں آپ۔“ صبیحہ نے پوچھا۔

”بچپن میں سمجھتا تھا ب جھول گیا ہوں۔“

”میں سنجیدگی سے گفتلو کر رہی ہوں، جوڑو یا جیو جیتو۔“ کشتنی کا جاپانی طریقہ!

”اوہ! میں سمجھ گیا۔ میں نے اس کے متعلق میں پڑھا تھا۔“

”میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس اس فن کی ایک با تصویر کتاب ہے۔ آپ پہنسنی شق بھم پہنچا سکتیں گے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ وہ حضرت آپ پر کس طرح غالب آتے ہیں۔“

”میں آپ کا مشکور ہوں گا۔“ حمید نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ ایک الماری کے قریب گئی اور اس میں سے ایک خنیم کتاب نکال لائی۔ ”وہ طریقہ ہیں۔“ وہ حمید کی طرف کتاب بڑھاتی ہوئی بوالی۔ ”جو ہاتھی کو مجھ سے زیر گرا دیں۔“

حمدید منظر بانہ انداز میں جلدی جلدی درق کروانی کرنے لگا۔

”صبیحہ خدا کے لئے اپنی حركتوں سے بازا جاؤ۔“ انہیں زرینہ کی آواز سنائی دی،

جو ایک دروازے میں کھڑی صبیحہ کو گھور رہی تھی۔

”خدا کے لئے تم میری سراغری ترک گر دو۔“ صبیحہ دانت پیس کر بولی۔ پھر دونوں میں بیچ مجھ پھر پ ہو گئی۔ زرینہ لڑنے میں کمزور معلوم ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اس کے منہ سے ایک بات انکلی، صبیحہ دس سناؤ آتی لیکن آخر کار پسپا اسی کو ہوتا پڑا۔ وہ تجھی پتگالہ اڑتی اور پیغمبر پنجتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ زرینہ طرف تنا صبیحہ کی ضمدوائع ہوتی ہے کیونکہ اس نسل غپاڑے کا اس پر مطلق نہیں ہوا تھا اور وہ بدستور پر سکون نظر آ رہی تھی۔

”دیکھنے! آپ اسکے چکر میں نہ پڑئے گا۔“ اس نے جھوٹی دیر بعد حمید سے کہا۔“

اس سے شیطان بھی پناہ مانتا ہو گا۔ آپ اگر اس کی باتوں میں آئے خواخواہ آپ کو

بہت

بھگلتنا پڑے گا۔ یہ آئے دن نوکریوں میں سرپھولی کراتی رہتی ہے۔“

”اچھا!“ حمید نے حیرت ظاہر کی۔

”خود ڈیلہی بھی اب اس سے عاجز ہیں۔“

”یا آپ سے چھوٹی ہیں یا بڑی۔“

”مجھ سے دوسال چھوٹی ہے لیکن جب ڈیلہی کا احترام نہیں کوتی تو میرا کیا کرے گی؟“

”ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا  
”ذرا اخہر یئے۔“

اس نے باہر نکل کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی، جب یقین ہو گیا کہ صبیحہ اس پاس کہیں موجود نہیں ہے تو پھر لاہریہ میں واپس چلا گیا۔

”دیکھنے!“ اس نے زرینہ کی مخاطب کیا۔ ”آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ صبیحہ صاحبہ ڈاکٹر کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جھونا بھی بھجتی ہیں۔ مجھ سے کہ رہی

تحصیں کر انہیں دینتے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔“

”میں نے سنا تھا!“ زرینہ بولی۔ ”لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیڈی جھوٹ بولیں گے وہ بہت اونچے آدمی ہیں۔“

”کیا یہ کوئی آپ کی بھی پیدائش سے قبل خریدی گئی تھی؟“

”بھی ہاں۔“

”بد تیزی تو ضرور ہے۔ لیکن کیا میں آپ کی عمر پوچھ سکتا ہوں۔“

”عمر۔“ درینہ کے چہرے پر بھجن کے آثار کے آثار نظر آنے لگے۔

”میں معافی چاہتے ہوئے اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔“ حمید نے شرمendگی کا

اظہار کیا۔

”اوہ ہو۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ زرینہ مسکراتی ”حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی صحیح عمر معلوم نہیں۔ ڈیڈی ہم دونوں پر بھی ایک تجربہ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ماہر نفسیات قسم کے لوگوں کو تجربات کا لکھنا شوق ہوتا ہے۔ اس تجربے کی بناء پر ڈیڈی نے ہم دونوں کو اسکول یا کالج میں تعليم نہیں دلوالی۔“

”بھاگیسا تجربہ ہو گا۔“ حمید نے تجیر آمیز انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔

”ڈیڈی اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ آدمی کو اپنی صحیح معلوم نہ ہو تو جلد بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں اسکول میں بھی داخل نہیں کرایا تھا۔ داخل کرتے تو عمریں بھی لکھوائی پڑتیں۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ صبیحہ مجھ سے دوسال چھوٹی ہے، اور یہ ڈیڈی ہی نے بتایا تھا۔ بہر حال وہ ہم دونوں پر اپنے اس نظریے کا تجربہ کر رہے ہیں۔“

”خوب اکمال ہے!“ حمید پاپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔

”اچھا!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ صبیحہ سے ہوشیار رہنے گا، ورنہ نہ وہ آپ کو کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھنسا دے گی۔“ ”میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ ویسے میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ وقت گذاری کے طور پر سمجھو لجھے۔“

”شوق سے پڑھیں۔ آدمی کی بس اپنی عقل درست رکھنی چاہیے۔“ زردینہ چلی گئی اور حمید ان دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا۔ دونوں میں کتنا اضافہ ہے۔ پھر اسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ اسے اور زیادہ پراسرار معلوم ہونے لگا۔ آخر یہ عمر کا کیا الٹینہ تھا۔ فیضیاتی طور پر سمجھو میں

آنے والی بات ضرور تھی... مگر...؟... ایسی بھی نہیں کہ کسی پر اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ قطعی حماقت انگلیر کیا اسے تو قع ہے کہ وہ ان اڑکیوں کے بڑھاپے کی عمر شروع ہونے تک زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے قبل نہ تجربہ ہستا ہے اور وہ کتاب ہی تکمیل پا سکتی ہے۔

وہ سچھدیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر چلا آیا۔ وہ اس تجربے کا تذکرہ فریدی سے بھی گرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی اسے کہیں نہ ملا۔ وہ شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن ماہی ہی ہوئی۔ فریدی کافی رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے بھی اس پر تشویش ظاہر کی اور ماحصر کونون کیا۔ لیکن اس نے بھی فریدی کے متعلق اعلیٰ ظاہر کی۔ حمید رات بھراطمینان سے خرائی لیتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اسے کیا تشویش ہو سکتی تھی کیونکہ فریدی یہاں کسی کام ہی کے لئے آیا تھا۔

وہ سری صحیح حمید خود سے بیدار نہیں ہوا بلکہ کوئی بے تحاشہ اس کے کمرے کا دروازہ پیٹھے جا رہا تھا اور اس کی متواتر آوازوں نے اسے جگا دیا تھا۔ اس نے اٹھ کر جلدی سے جسم پر شب خوابی کا البارہ ڈالا اور پھر دروازہ کھوٹ دیا۔

اس طرح دروازہ پیٹنے والی صبیحہ تھی اس کے ہاتھ میں شاہد آج کا کوئی اخبار تھا۔<sup>۵۹</sup>  
حمدید کو ایک طرف بٹاتی ہوتی کمرے میں گھس آئی۔

”واتھی آپ کے بھائی صاحب دہن کے پے معلوم ہوتے ہیں۔“ اس نے حمید  
کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

”دیکھئے!“ اس نے اخبار کا صفحہ الٹ کر ایک سرخی کی طرف اشارہ کیا۔ ”سردار  
 محمود کی کوٹھی پر پراسرار دھماکہ۔ پوری کوٹھی دھوئیں سے بھر گئی۔ کسی جانی یا مالی نقصان  
 کی اطاعت نہیں ملی۔ قرب و جوار میں کافی نیجان پایا چاہا ہے۔ بعد کی اطاعت  
 مظہر ہیں کہ وہ دھوئیں کام تھا۔ سردار محمود کا بیان ہے کہ وہ ان کے کسی دہن کی حرکت  
 معلوم ہوتی ہے، لیکن انہوں نے کسی خاص آدمی پر اپنا شبہ نہیں ظاہر کیا۔“  
 حمید خبر پڑھ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”اور وہ نظرات ابھی تک واپس نہیں آئے۔“ صبیحہ نے کہا۔

”نہیں آئے۔“ حمید نے خواہ خواہ نظر اپ ظاہر لرن اشروع کر دیا۔

”ڈیگی کا خیال ہے کہ ان کے لئے پاگل خانہ ہی مناسب رہے گا اور انہیں  
 افسوس ہے کہ انہوں نے دینے کا قصہ آپ لوگوں کو گیوں بتایا۔“

”مجھے جانا چاہئے۔“

”کہاں؟“

”بھائی صاحب کی تلاش میں۔“

”آپ صرف دو ہی بھائی ہیں۔“

”جاسید اور یقیناً بڑی ہو گی اور ہینک بیلنس بھی۔“

”جی ہاں! خدا کے فصل سے بہت سچھے ہے۔“

”تب پھر آپ انہیں مرہی جانے دیجئے۔“

”کیا لغویت ہے؟“ حمید نے غصہ ظاہر کیا۔

”لغویت نہیں۔ ان کے مرجانے پر آپ جائیداد کے تھا مالک ہوں گے۔“

”آپ کو اس قسم کی فضول باتیں نہ کرنی چاہیں۔“

”حالانکہ میں نے آپ کے فائدے ہی کی بات کہی ہے۔“

”تو اس طرح آپ محترمہ زرینہ کی موت کی بھی خواہش مند ہوں گی۔“

”یقیناً میرابس چلتے تو میں اسے آج ہی مارڈالوں۔“

”ڈاکٹر کے سامنے یہی الفاظ دہرانے کی بہت ہے۔“

”اوہو! ڈیڈی!“ صبیحہ منشکہ اڑانے والے انداز میں بخسی۔ انہیں تو جب چاہوں  
زہر دے دوں۔“

”اچھا اچھا میں ڈاکٹر کو سب سمجھتا ہوں گا۔“

”وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ لوگ اپنے بچاؤ کی فکر رکھجئے۔ میں پولیس کی اطاعت  
دینے جاہی ہو کر دھوکیں کا بم سینکڑے والوں کا ہے۔“  
حمدی اس کی سنجیدگی دلکش کر بول کھلا گیا۔

”مجھے سردار محمود سے ہمدردی ہے۔ ڈیڈی خواہنگ ایک شریف آدمی پر ازام رکھ  
رہے ہیں۔ ہستا ہے کہ سردار صاحب نے کبھی کوئی خریب نے کی خواہش ظاہر کی ہو  
لیکن اس بات کا ڈیڈی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان حکمتوں میں انہیں کاہاتھ ہے  
۔“

حمدی میز کے گوشے پر بیٹھ کر صبیحہ کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے اس نے اپنے چہرے پر  
سرسمیگی کے سارے آثار پیدا کر رکھے تھے۔

اور آپ کے بھائی صاحب سو فیصدی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ ”صبیحہ پھر بولی۔“  
میں انہیں پاگل خانے ضرور بھجواؤں گی! اور آپ جیل کے  
 منتظر رہیے۔“

”میں نے کیا کیا ہے۔“ حمید نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”آپ نے...“ وہ حمید کے قریب پہنچتی ہوئی بولی۔ ”خیر میں آپ کو معاف کرتی ہوں، آپ پر مجھے نہ جانے کیوں رحم آتا ہے۔“

acha nuk وہ حمید کے سر پر باتھ پھیسر نے لگی اور حمید نے موچ میں آگر انکھیں بند کر لیں۔ صبیحہ سہلاتے سہلاتے گال بھی سہلاتے لگی۔ پھر حمید کا کیا پوچھنا وہ خود کو تخت سلیمان پر محسوس کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں تخت الفڑی کی بھی سیر کرنی پڑی۔ کیونکہ صبیحہ نے گال سہلاتے سہلاتے اچانک ایک بھر پور باتھ رو سید کر دیا تھا اور پھر اس کے منہلے سے پہلے ہی وہ وہاں سے ہوا ہو گئی۔ حمید ایک باتھ دا بنے گال پر کھٹے اور براسامنہ بنائے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔

اہ کا دل جاہ رہا تھا کہ دوسرے گال پر اپنے ہی باتھ سے تھپڑ رو سید کر لے۔

acha nuk اچانک ذاکر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے باتھ میں ایک اخبار تھا۔

”تم نے کیجی وہ خبر؟“ ان نے آتے ہی کہا۔ اس کے لمحے میں سرت آمیز لرزش تھی۔

”جی ہاں دیکھ لی۔“ حمید نے اپنا مودودی ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہ ”میں جانتا ہوں بھائی نے جو سمجھ کہا ہے کر گزریں گے۔“

”یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہا۔“

”یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہا۔“

”پتہ نہیں! مجھے تشویش ہے۔ ویسے ان کی ذمیتی حالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے انہیں صرف ملکی کہا جاستا ہے پاگل نہیں۔ انہیں تلاش کرنا چاہیے۔ اب کوئی ایسی حرکت ہوئی چاہیے جس سے سردار محمود کو علم ہو جائے کہ اس دھماکے کا تعلق میری ذات سے ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔“



اردو فلز دار کام

## نمبر چوالیس ۲۲

محض دکھاوے کے لئے حمید فریدی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ورنہ اسے ذرہ برا بر بھی تشویش نہیں تھی۔ البتہ وہ سردار محمود کے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

فریدی کو ڈاکٹر کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے سردار محمود کے خلاف حرکت کر دی تھی۔ یہ بات حمید کی سمجھی میں نہ آسکی۔ وہ سری طرف اسے ڈاکٹر سے زیادہ اس کی اڑکیاں پر اسرار معلوم ہو رہی تھیں۔ اور صیبیجا سے تو وہ ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔

وہ تمام دن باہر رہا۔ شام کو اس نے سوچا کہ ماہر سے بھی ملتا چلے ممکن ہے فریدی سے یہی ملاقات ہو جائے۔ اس کا خیال درست نکلا۔ فریدی ماہر کے پنگلے میں موجود تھا اسے اپنے ہوڑے میں تھا۔ حمدی نے اسے سارے واقعات سے آگاہ ہوئے کہا۔ ”اب ڈاکٹر چاہتا ہے کہ سردار محمود اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ وہوئیں کے بم کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔“ یہی صیبیجا کو دیتے والی کہانی پر بالکل یقین نہیں

”

”میں اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔“ فریدی نے اپر والی سے کہا۔ ”پھر آپ نے سردار سردار محمود کی کوئی بھی میں بم کیوں پہنچا تھا؟“  
”وہ تو آج بھی پہنچتا جائے گا۔“

”آخر معاملہ کیا ہے؟“  
”تم فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔ اگر ہو سکتے تو بالکل ڈاکٹر کو گھر سے باہر رہی نہ لکھنے دینا گھر نہیں... یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ خیر میں ہی کوئی انتظار کرلوں گا لیکن تم اس کے فون میں تو کچھ نہ کچھ خرابی پیدا ہی کر سکو گے۔

یہ بہت ضروری ہے۔ خواہ جنواہ تمہیں اس کے تاریخ کیوں نہ کاٹنے پڑیں۔“

”آخر کیوں؟“

”کل میں پاگل خانے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ہمارے کے انتظامی امور میں بھی  
ذمیل ہے اور اس کی علمی میں کوئی باہری آدمی پاگل خانے میں نہیں داخل ہو سکتا۔  
خواہ وہ کوئی سرکاری آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل خانے میں داخلے کے اجازت نامے  
پر اس کے ذخیرے ہونے ہے۔“  
حال میں لازمی ہیں۔“

”میں سمجھ گیا۔“ حمید سر ہلاکر بولا۔ ”اچھا! میں اس بات کو شش بھی کروں گا کہ وہ  
گلگھر سے باہر نکلنے ہی نہ پائے۔“  
”وہ کیسے روکو گے؟“

”نہایت آسمانی سے! آپ یہی چاہتے ہیں تاکہ کل وہ نتو پاگل خانے جائے اور  
نفوں پر گفتلوں کر سکے۔“  
”ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔“

”تو یہ جائے گا۔ میں آج ہی رات کو اس کی دنوں لڑکیوں سمیت غائب ہو  
جائے گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی اپنے داسنے با تھکی تھکی کر گھونسہ بنانے  
لگا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بہت نرمی سے کہا۔ ”میں اس معاملے میں تم سے  
سنجیدگی کی توقع رکھتا ہوں۔“

”فرض کر داگر لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم کیا کرتے؟“

”ایک منٹ کے لئے بھی ہاں نہ پھرہتا۔“

”نداق ختم کرو۔“ فریدی سچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم اس سے کہہ دینا کہ وہ گلگھر  
سے باہر نہ نکلے۔ اسی طرح سردار جمیوں کو وہماکے معاملے کے  
متعلق یقین دایا جا سکتا ہے کہ وہ اسی کا کام تھا! صحیح... اور اس کے بعد تم  
لیلینوں کے تاروں کاٹ ہی سکتے ہو!“

”پھر دن بھر میں کیا کرتا رہوں گا۔“

”جو کچھ آج کرتے رہے ہو، اُس ربِ دفع ہو جاؤ۔“

جمیدِ دفع ہو جانے کے باہم جسی سیدھا ڈاکٹر کی طرف نہیں گیا۔ کافی رات گئے ہو ٹلوں اور رستورانوں کے چکر کا تارہ اور پھر جب کوئی پہنچا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پایا۔

”کچھ پتہ چلا!“ ڈاکٹر کی آواز میں کپکاپہت تھی۔

”جی ہاں ملے اور بحیب حال میں ملے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ وہی بھائی صاحب جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے گرینجوبیٹ ہیں خدا کی پناہ!... جمید اپنا منہ پیٹ کر خاموش ہو گیا۔

”کیوں! اس حال میں تھے!“ ڈاکٹر کا اشتیاق بڑھ گیا۔

”ان کے جسم پر امریکن غنڈوں کا سالہاں تھا اور وہ ایک بد نام قسم کے ہوٹل میں چند لفٹگلوکے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں یعنیخت غصہ آگیا اور ان کے ساتھ اپنی آشیں سنبھلے لگے۔ ایک نے ان سے کہا بھی کہ استاد کہو تو ہاتھ صاف کر دوں، لیکن وہ مجھے الگ لے گیا اور بتایا کہ آج رات کو پھر سردار محمود کی کوئی میں وہویں کام پہنچنا جائے گا اور ڈاکٹر سے کہ دینا کہ کل دن بھر کوئی سے کپاڑ نہ میں بھی نہیں؟“

”کیوں؟ ڈاکٹر کی حیرت بڑھ گئی۔

”پہنچنے میں انہوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ اسی طرح سردار محمود کو یقین دلایا جاسکتا ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر ہی کا ہاتھ ہے۔“ بہت خوب۔ بہت خوب۔ یہ اشد ضروری تھا۔ کل میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اور کچھ؟“

”اوہ! سری اہم بات میں خود کہنا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا؟“

”محترمہ صبیحہ آپ کی ٹوہ میں رہتی ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ڈاکٹر یک بیگ چونک پڑا۔ اس کا اندازہ جانے کیوں جمید کو بہت پر اسرار معلوم ہوا۔

”انہیں دیننے والی کہانی پر یقین نہیں ہے مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم یہ تو ف ہوا اگر تمہیں اس پر یقین آجائے۔“

”اوہ...!“ ڈاکٹر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا اور وہ نہیں کر بولा۔ وہ شیطان ہے۔ یہ بات تو وہ مجھ سے بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ بہت شری ہے۔“

جمید نے پھر یہ بات آگئے نہیں بڑھائی۔ وہ ڈاکٹر کے رو یعنی پر غور کرنے لگا۔ آخر وہ اس بری طرح چونکا گیوں تھا اور پھر پوری بات سن لینے کے بعد مضمون بھی نظر آنے لگا تھا۔ اس کا قیام مطلب ہوا کہ اس معاملے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے صبیحہ کا اس کی لوہ میں رہنا شایع متوقع ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہو۔

صبیحہ کے بارے میں سوچنے وقت جمید کو اس کا تھپٹریا واؤ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ اس سیاس کا بدله کس طرح لیا جائے۔ وہ سوچتا رہا اور اسے نیند آگئی۔

دوسرا صبح ٹھیک آٹھ بجے اس نے شیلینوں کے تارکاٹ دیئے۔

ڈاکٹر نے ابھی تک جمیج کوئی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور جمید کو موقع تھی کہ وہ فریدی کے ہر مشورے پر عمل کرے گا البتہ اسے شیلینوں کی فکر ضرور تھی۔ تارغاں بالا اس لئے کٹوائے گئے تھے کہ ڈاکٹر فون پر بھی کسی

سے رابطہ نہ قائم کر سکے لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ اپنے فون سے کام نہ لے سکنے کی بناء پر وہ وقت ضرورت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیجا رہتا۔ اپنے فون کی خرابی کی اطاعت وہ کسی دوسرا جگہ سے بھی شیلینوں کے محلے کو دلو سستا تھا۔ ایسی صورت

میں تارکاٹھے کے علم اسے یقینی طور پر ہو جاتا... پھر... حمید سوچتا اور الجھتا رہا لیکن  
تھقیقت ہے گیا رہ بجے تک ڈاکٹر نے فون استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس  
کی۔

آج حمید لڑکیوں سے دور ہی دور رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر صبیحہ سے  
ملاقات ہو گئی تو مستقل طور پر پہچھا پکڑ لے گی اور حمید ڈاکٹر کی نگرانی نہ کر سکے گا۔  
نگرانی کا خیال بھی نیائیں تھا۔ یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ حمید ڈاکٹر کی طرف سے مسلمان  
تھا کیونکہ اسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ ان دونوں پر اعتماد کرنے  
اگاہے۔ اُقریباً بارہ بجے ایک کار کپاڈ میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی اس میں سے اتر  
گر پورچ کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے بڑے تھبراۓ ہوئے پہنچیں ایک لوگوں سے  
ڈاکٹر کے متعلق پوچھا ادا سے بات پر مصروف ہوا کہا سے براہ راست ڈاکٹر کے پاس پہنچا  
دیا جائے۔ راستے میں حمید سے مدد ہو گئی۔ اس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور  
پہلی نظر میں لکھک گیا۔

ڈاکٹر ابیری میں تھا۔ حمید جلدی سیر اہداری سے نکل کر ایک پر آیا اور باہر ہی باہر  
اپنے ابیری کی پشت پر شیخ گیا۔ اب وہ شھیک اس کھڑکی کے نیچے تھا جس کی دوسری  
طرف ڈاکٹر ایک آرام کسی میں لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دی۔ اس کے لجھے میں  
استغما ب تھا۔ حمید بالکل کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو اس کے سر سے اُقریباً ایک  
بانشہت اوچھی تھی۔

”نمبر چوالیس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے کسی نے زہر دیا ہے۔“

”زہر دیا ہے؟“ ڈاکٹر نے دہرا یا۔

”جی ہاں اور محکمہ سر اغرسانی کا ایک آفیسر ہاں موجود ہے۔“

”تو تم نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع دی تھی۔“ ڈاکٹر کا الجھنا خوشگوار تھا۔

”نہیں جناب... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور وہ خود ہی آج صحیح نمبر

چوالیس کے متعلق پوچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”نہیں جناب... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی سے اور وہ خود ہی آج صحیح نمبر چوالیس کے متعلق پوچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”نہیں جناب... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور خود ہی آج صحیح نمبر چوالیس کے متعلق پوچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”خود ہی آیا تھا۔“ ڈاکٹر نے حیرت سے دہرا�ا۔ ”اور وہ کوئی مشہور آدمی ہے۔“

”جی وہاں... گرل فریڈی۔“

”گرل فریڈی!“ کرسی کھڑکانے کی آواز نے آئی شایدہ ڈاکٹر کھڑا ہوا گیا تھا۔

”اور جناب! گرل فریڈی ہی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔“

”

”بینجھ جاؤ۔“ ڈاکٹر مختصر بانہ اندر آرٹیں بو لایا۔ ”تمہاری باتیں بیربط ہیں آخر گرل فریڈی وہاں کے پہنچ گیا۔“

”بس وہ وہاں آیا۔ ڈیوٹی انچارج سے مل کر اس نے اس کے متعلق پوچھا چکھ کی

اور سیدھا اس کی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ انچارج اسے کیسے روکتا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو ہے نہیں۔ بہر حال جب وہ اس کی

کوٹھری میں پنچا تو وہ بیہوں پڑا تھا۔ گرل ہی نے یہ بات سب سے پہلے محسوس کی کہ

اسے زہر دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو فون کیا ایکن شایدہ آپ کافون خراب ہے۔

انکو امری سے یہی معلوم ہوا تھا۔ پھر سیدھا میں چلا آیا۔“

”نہیں فون تو لمحیک ہے!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”خیر گرل فریڈی وہاں موجود ہے یا چلا

گیا!“

موجود ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے۔ نمبر چوالیس فتح جائے گا... یا...“

”کچھ کہانیں جاستا،“

”اچھا! تم اپنی زبان بالکل بند رکھنا۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اسے میں نے ہی پاگل خانے میں داخل کیا تھا۔“ ”میری زبان بالکل بند رہے گی۔ آپ مضمون رہیں۔“

کچھ دیر تک خاموشی رہی چھر ڈاکٹر نے کہا۔ ”اب تم وہیں واپس جاؤ۔ جیسے ہی کرنل وہاں سے رخصت ہو۔ مجھے فون پر اطلاع دینا۔ میں دیکھوں گا کہ فون میں کیا خرابی ہے۔“

جمید کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس کی دانست میں اب کوئی کلکا نہیں تھا۔ ڈاکٹر فریدی کی موجودگی میں وہاں جانے سے رہا لہذا اب اس کی بھی ضرورت نہیں کہ ڈاکٹر کو فون کی خرابی سے اعلم رکھا جائے۔

جمید پورچ میں کھڑا تو وارڈ کی کار لوچھائک سے نکلتے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر ابھی تک لاابھری ہی میں تھا۔ جمید پہلے تو اس کمرے میں گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ پھر لاابھری کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ بھروسہ اپنے چہرے پر بد خواہی کے آثار جیدا کرتا رہا۔

پھر لاابھری میں داخل ورثتے ہی لاکارا۔ ”ڈاکٹر کسی نے ٹیلینفون کے تار کاٹ دیتے ہیں۔“

ڈاکٹر نے بڑے پسکون انداز میں اس کا یہ جملہ سنایا اور پھر اس کے ہونتوں پر ایک نظر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ پھر کہے بغیر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

جمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کہے وہ سوچنے لگا کہ کیا ڈاکٹر مجھ اس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ اس کی مسکراہٹ اور لاپرواںی

کے اظہار کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔

”اب اور کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ڈاکٹر کتاب بندگر کے عینک کے اوپر سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا بوا۔

”کچھ نہیں!“ حمید نے خشک لبجے میں کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ اتنا غیر احمد نہیں ہو سکتا جسے اس طرح رواداری میں نال دیا جائے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ ویسے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو میں تمہارا مشکور ہو گا۔ سماamt سے کہو۔ وہ تار مہیا کر دے گا۔“ ڈاکٹر نے پھر کتاب کھولی اور حمید وہاں سے چلا آیا۔

تاروں کی درستگی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ حمید اس دوران میں اسنوف اور کے متعلق سوچتا رہا تھا، اور وہ خبر... ازہر کے دیا گیا تھا۔ کیا اسی پاگل کو جس کے لئے فریدی رام گدھ کیا تھا لیکن یہ حیرت انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچا چاہا اور آج ہی اسے زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر نجیب کی کیا حیثیت تھی؟ حمید اس تھی کون سمجھا سکا۔ فون کوٹھ کرنے کے لئے وہ پھر کمرے میں آگیا۔ اب وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

حمدی خیالات میں کھویا ہوا میز کے گوشے سے نکل گیا۔ آخر وہ کون تھا جس کے لئے فریدی کو یہاں تک آنا پڑا۔ اس نے کسی کے انخواہ کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نجیب... وہ اس پاگل سے بھی زیادہ پراسرا معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دینے جانے سے زیادہ اس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر پرشریش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھایا۔

”بیلو!...“

”ڈاکٹر نجیب!“ وہ سری طرف سے آواز آئی۔

”ہاں۔ میں ہی ہوں۔“ حمید نے بھرپر ہوئی آواز میں کہا۔

”نمبر چوالیس مر گیا اور کرنل یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی یہاں کے مقامی کام کو لا کر با صابطہ کارروائیوں کی تحریکیں کرے گا... مگر...“

”مگر کیا؟“، حمید نے پوچھا۔

”اس کے جانے کے لحیک پندرہ بعد ایک دوسرا کرنل فریدی دھمکا ہے۔“

”کیا مطلب!“

”ایک دوسرا آدمی جو خود کو کرنل فریدی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اسے فی الحال روک لیا ہے۔ آپ جو کچھ کہیں کیا جائے۔ یہ آدمی نومبر ہے اور اسے کسی طرح بھی کرنل فریدی نہیں تسلیم کیا جا سکتا!“

”تم میری آواز کی بہت اچھی نقل کر رہے ہو۔“ ڈاکٹر نجیب نے کہا، جو کمرے کے دروازے میں کھڑا حمید گھور رہا تھا۔ حمید جلدی سے ریسورٹ کو ہر قسم کے خطرے کے لئے تیار ہو گیا۔

## ڈھونکا اور فائر

فون کی گھنٹی پھر بجی، لیکن اس بار حمید نے رسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ گھنٹی بھتی رہ۔ آخر ڈاکٹر نے کہا۔  
”ویکھو! کون ہے؟“

حمید کو اس پر متین ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اس نے رسیور اٹھالیا۔ البتہ اس نے ڈاکٹر کوچ مجھ تھیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی سی تھی۔ یہ آوازن صرف نسوائی بلکہ صبیحہ کی آواز سے مشابہ بھی تھی۔

”ہاں... ڈاکٹر موجود ہیں! بخوبی ہے!“ حمید ماڈ تھوپیں میں کہہ کر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر شراحت آمیز مسکراہت تھی لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے اور مہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس نے حمید ہاتھ سے رسیور لے لیا۔

”ڈاکٹر نجیب احمدیانگ... اہہ... کیا... کیسی لاش... اچھا اچھا... ہاں... ہاں... خیر کوئی فکر نہ کر۔ بس تمہاری زبان بند کرنی پڑیے۔“

ڈاکٹر نے رسیور رکھ دیا اور ایک گرسی میں گر کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر لے لگا۔ حمید

ٹھیک اس کے سامنے بیٹھا سر کھجا تا رہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے اسے مخاطب کیا  
”پہلا تم نے فون رسیو کیا تھا۔“

”کال آپ ہی کی تھی۔“ حمید نے شرم مندگی ظاہر کرنے والے لمحے میں کہا۔

”کون تھا۔“

”اس نے اپنا نام نہیں بتایا مگر پیغام عجیب تھا۔“

”کیا تھا؟“

”اوٹ پٹا نگ۔ کہنے لگا نمبر اکیا وون یا آلتا یس یا اوتا یس یا اور کوئی نمبر... مجھے نمبر یاد نہیں۔“  
بہر حال وہ نمبر مر گیا۔ ایک کرنسی سعیدی چالا گیا اور اب دوسرا کرنسی سعیدی آیا ہے۔

کرنیں سعیدی یا اور پچھے۔ نام کے متعلق میں یقین کے ساتھ نہیں کہ ستما کہ وہ مجھے صحیح یاد رہے۔“

”تم نے فون کے تاریکوں کا لے تھے۔“ ڈاکٹر کے لجے میں بخت پیدا ہو گئی۔

”سما کہ مجھے ان کی مرمت کرنی پڑے۔“ حمید نے دشکل لجے میں جواب دیا۔

”میں بہت زیادہ یوقوف نہیں بن ستما۔“

”یہ آپ کی مرضی پر محصر ہے۔“ حمید نے اپر والی سیکھا۔

”اگر یقین نہ کرنا چاہیں تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت یقین نہیں دا سکتی۔“

”تو گویا تم اب بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہے ہو۔“

”میں مرتے دم تک آپ کو اپنی نیک نعمت کا یقین دلاتا رہوں گا۔“

ڈاکٹر پھر لمحے پھر سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”اچھا تو میں ابھی امتحان کئے لیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ... چلو انھوں۔“

حمدید اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔

ڈاکٹر اسے عمارت کے باہر نہیں بے گیا۔ لیکن پھر بھی حمید کو کافی چلانا پڑا کیونکہ عمارت کا پھیلاوہ بہت زیادہ تھا۔ بالآخر وہ ایک گمرے کے سامنے رک گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر درازے پر نظریں جمادیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف گزر کر بولا۔ ”کیا تم اس تحریر کو پڑھ سکتے ہو۔“

”تحریر۔“ ڈاکٹر نے دروازے پر ایک جگہ انکلی رکھ کر کہا۔

حمدید اتنا آگے بڑھا کہ دروازے پر بالکل لگ گیا لیکن اب بھی اسے کوئی تحریر نہ دکھائی دی۔ پھر وہ کوئی چھبتا ہوا جملہ کہنے کے لئے مرتے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر نے پیچھے سے اسے ایک زور دار دھکا دیا۔ کیواڑ خود بخود کھلے اور حمید منہ کے بل کمرے میں جا گرا۔ دروازہ خود بخود پھر بند ہو گیا اور حمید نے سنجانے سے پہلے ہی تالے

میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔“

جمید اٹھ کر دروازے پر ٹکریں مارنے لگا۔ لیکن دروازہ کمزور نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو آوازیں دیں، لیکن جواب ندارو پھر وہ تاؤ میں آ کر زبانی طور پر اس سے ایک گندہ سر شستہ قائم کرنے لگا۔ مگر شاندہ ڈاکٹر جا چکا تھا۔

یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک کوٹھری تھی اور اس میں صرف یہی ایک دروازہ تھا، جس سے جمید اندر داخل ہوا تھا جموڑی ہی دیر میں اسے گھٹشن کا احساس ہونے لگا۔ عمارت کا یہ حصہ دو راتاں تھا۔ جمید کو توقع نہیں تھی کہ کوئی نوکر بھی اس کی آواز سن سکے، لہذا انہیں غپاڑہ بندگر کے وہ نہایت سنجیدگی سے

حالات پر غور کرنے لگا۔ ایسے موقع پر غور کرنے کے علاوہ اور کوئی مغلنڈی سر زر نہیں ہو سکتی۔ بہر حال جمید کے غور فکر کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ محض فریدی کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔ اگر وہ اسے صحیح واقعات سے باخبر رکھتا تو اس کی نوبت کیوں آتی۔ وہ بہر حال ہوشیار رہتا۔ زیادہ نہیں تو صرف ڈاکٹر کی پوزیشن واضح کر دی ہوتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

گھٹری اس کی کلامی پر موجو تھی لہذا وہ بآسانی اس بیویت کی عمر بلویل کا اندازہ کر سکتا تھا۔

وہ پھر کا کھانا غائب۔ سہ پہر کی چائے مذارو اور اب گھٹری چھو بجا رہی تھی۔ جمید نقطی یہ نہیں سوچا کہ اس وقت غروب آفتاب کا منظر بڑا حسین ہو گا۔ وہ تو اب صرف رات کے کھانے کے متعلق سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات اسی کوٹھری میں بسر کرنی پڑی تو پھر اپنے آبا اور ادکن کے خون کا انقام لے ڈالیں گے۔ اس کے ذہن میں نتو زرینہ کی سنجیدگی کی تصویر تھی اور نہ صبیحہ کے چنچل پن کی تصویر... اس وقت تو معدہ دماغ سے بھیک مانگ رہا تھا اور دماغ پر ایک بہت بڑا بسکٹ جس میں سے خیرات بھی ٹکالی جاسکے۔

سات نج کر چھ منٹ پر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اسے پکار رہا ہو  
پہلے تو سمجھا کہ یہ بھی حادی عدے کی اختراق ہے لیکن پھر یقین آگیا۔ اور از وہ رکی  
تھی۔ کبھی وہ قریب سے آتی ہوئی معلوم ہوتی اور کبھی دور ہو جاتی اور پھر حمید نے  
اسے پہچان لیا۔ وہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر  
حلق چھاؤ نے لگا۔

رائداری دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج آٹھی۔

”حمدید!“ فریدی نے پھر آواز دی اور شاندار اپ وہ اسی کوٹھری کے دروازے پر تھا  
۔ ”لاشیں جواب نہیں دیا کرتیں۔“ حمید حلق چھاؤ کر چینا۔

پھر پانچ منٹ بعد تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ میرا ہی موجود ہوتا آپ کو شاق گذر رہا ہے تو پھر بتا دیجئے غیر موجود یا  
نام موجود ہو پکج بھی قواعد کے رو سے کہتے ہوں۔“

”لڑکیاں کی لڑکیاں کہاں ہیں؟“  
”لڑکیاں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ باقی بچاؤ اُنہوں تو اسے جہنم میں  
جنوں کیسے؟“

”حمدید بخیدگی سے گفتگو کرو۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔

”میں بہت شدت سے بور ہوں۔“ حمید بیدلی کا اظہار کرتا ہوا بولا اور آپ کے  
کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“

”نوكر بھی غائب ہیں۔“ فریدی بڑا بڑا۔ ”مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔“

”وہ باور پی خانے میں ہوں گے۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں میں تمام دیکھ چکا ہوں۔“

”لیکن تم بیباں... کیا وہ تمہیں قید کر گئے تھے۔“

”اجی نہیں تو بے تکھے! آئیے تو میرے ساتھ۔“

فریدی اس کیما تھو چلنے لگا۔ وہ دونوں باور پھی خانے میں آئے اور حمید نعمت  
جانے پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت سچھ تھا۔

”دیکھیے! آپ جب تک تلاش کریجئے۔“ حمید گیک کا ایک بڑا مکلاٹھوں کر منہ  
چلاتا ہوا بولا۔

”کیا بیہودگی ہے؟“ فریدی جھاما گیا۔

”اگر پہیٹ بھرنا بیہودگی ہے تو میں اس زندگی پر بہار باراعت بھیجا ہوں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم کافی دیر تک ہاں بند رہے ہو۔“ فریدی غور سے  
دیکھتا ہوا بولا۔

”ہاں۔ پرواہ نہیں۔ میں ایک بجے سے ہاں مراقبہ میں تھا... گیک لذیذ ہے۔“

”اچھا پسچھے تو زہر مار کر لو پھر کچھ بتانا۔“

”خدا آپ کا ہاضمہ نیشن درست رکھے۔“ حمید نے ہاتھا ٹھاکر دنادی۔

”فریدی کی آنکھوں سے نیچنی متھی شیخ تھی۔“

یہ دوسرا فریدی کوں تھا۔“ حمید نے پوچھا۔ اس کامنہ برابر چل رہا تھا۔ ”تم جانتے  
ہو۔“

”ہاں!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”چوت ہو گئی۔ میں نے  
معاملات کو اچھی طرح سمجھے! بغیر طریق کا منصیں کر لیا تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے۔“  
”ہوا کیا۔“

”کسی نے کرنل فریدی بن گر پاگل خانے میں داخلے کا پاس حاصل کیا اور ہاں  
جا کر اس پاگل تک رسائی حاصل کی تلاش مجھے تھی اور پھر غالباً باز برداشتی اسے زہر کا  
نجاشن دے دیا۔“

”پھر جب آپ پہنچ تو کیا ہوا۔“

”جب تک کہ ماختر نے ہاں پہنچ کر تصدیق نہیں کر دی۔ وہ لوگ مجھے دھوکہ باز

صحیح رہے۔ میں نے وہیں سے فون کر کے ماڈلر کو بیان ادا تھا۔“

”یہاں ڈاکٹر نے میری جامیت بنادی۔“ حمید نے کہا اور آج کے سارے واقعات دہرانے لگا۔

”کیا تم اس آدمی کو پہچان لو گئے، جو یہاں آیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”تینیں اپنے پہچان لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پاگل خانے ہی کا کوئی ڈاکٹر تھا۔“

”ہوں!... اچھا... فریدی پچھو سوچنے لگا۔

”اب آپ بھی مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہ کریں گے۔“

”نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہیں کسی چونی والے جاسوس ناول کا مزہ آجائے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا یہی بتاؤ تھیے کیا ڈاکٹر ہماری وجہ سے فرار ہوا ہے۔“

”بیماری طور پر تو یہی بات ہے میں خود ڈاکٹر کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ

وہ ہماری وجہ سے فرار ہو رہا ہے۔ اس کے فرار کی وجہ حقیقت پاگل کوہوت ہے۔“

”وہ پاگل کون تھا۔“

”وہ پاگل تھا ہی نہیں... وہ ایک قیدی تھا۔ پاگل خانے کا قیدی۔“

”ہاں! اپنا اپنا مقدر ہے!“ حمید ایک بخشندری سانس لے کر بولا۔ ”میں ایسا بہد بخت

ہوں کہ مجھے پاگل خانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔“

فریدی پچھو نہ بولا۔ وہ سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

حمید کے حلق سے بھی پچھو اور پھر ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اسے پانی کے گھونٹ

اتارنے میں تکلیف محسوس ہو ہی تھی۔ بدقت تمام اس نے تین چار گھونٹ لئے

اور ایک لمبی اسی ڈاکار لے کر کھڑا ہو گیا۔

”اب اگر آپ کی طرف بھی اشارہ کریں تو بید رانی چھانگ اگا دوں گا۔“

اس نے دوسری ڈاکار لے کر کہا۔

فریدی آقریباً آدھے گھنے تک عمارت کے مختلف حصوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پھر اس نے ڈاکٹر کی تحریر گاہ رخ کیا۔ یہاں بھی اس نے چند عماریاں کھو لیں اور ان میں رکھے ہوئے سامان کا جائزہ لیتا رہا۔ حمید خاموشی سے اس ساتھ ادھراً دھڑکتا رہا تھا۔

اچانک فریدی نے اس کی طرف مرکر کہا۔ ”ڈاکٹر کے پاس تین کاریں تھیں ذرا گیراج میں دیکھنا تو کوئی گاڑی بے یا نہیں۔“

حمدلپوری سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑا۔ پوری کمپاؤنڈ سمنان اور تاریک پڑی تھی۔ گیراج کے سامنے پہنچ کر اس نے ٹارچ روشن کی۔ گیراج میں تالا بند نہیں تھی۔ یہ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر نے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے سامان کی محفوظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سارے گمرے کھلے پڑے تھے اور سامان جوں کا توں موجود تھا۔ شاندی کوئی چیز عمارت سے ہٹائی گئی ہو۔ پتہ نہیں، وہ نوکروں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یا انہیں پہنچ دے دی تھی۔

حمدی گیراج میں داخل ہوا۔ ایک کار موجود تھی۔ اس کی ایک کھڑکی پر حمید کو ایک راشمی روپاں پڑا ہوا نظر آیا۔ یہ روپاں صبیحہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر الوگی تصویر بُنی ہوئی تھی۔ حمید اسے کئی بار صبیحہ کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا۔

روپاں کے ایک گوشے میں کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ حمید نے کاپنے ہوئے ہاتھوں سے گردھوںی... اور... یہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا گلزار تھا جس پر پہل سے جلدی میں کچھ لکھا گیا تھا۔

”جمال صاحب!“ کاغذ پر تحریر تھا۔ ”ڈیڈی بچ مج پا گل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو گمرے میں بند کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو یہاں سے سے جا رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ یہ آپ کو اس نقشے سے معلوم ہو گا جو لپوری کی تیرانہروالی

الماری میں رکھا ہوا ہے اور جمال صاحب! کیا لکھوں... میں نہ جانے کیوں آپ لوگوں پر اعتماد کرتی ہوں۔ نقشہ تلاش کر کے فوراً آئیے۔ آج میں بہت زیادہ خطرہ محسوس کر رہی ہو۔! ”صیبحہ“

جمید یہ تحریر پڑھ کر سر پٹ دوڑتا ہوا تحریر بگاہ میں آیا لیکن فریدی وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ میز میں اٹھی ہوئی نظر آئیں۔ شیشے کے بہتسرے آلات کے رینے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔ جمید بڑی تیزی سے دروازے کی طرف مڑا اور باہر پہنچنے سے قبل ہی اس نے فائزگی آواز سنی جو کمپاؤڈر کے سی حصے سے آئی تھی۔ پھر پے در پے مزید تین فائیر... جمید نے جھپٹ کر تحریر بگاہ کی روشنی گل کر دی۔ اب اس نے لیبورٹری سے نکلنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا کیونکہ اس نے ابھی ابھی چند مخصوص قسم کی چیزیں سنی تھیں... آواز فریدی کی تھی اور یہ چیزیں ایک طرح کا اشارہ تھیں، جس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ جہاں ہو۔ وہیں رک جاؤ...! جمید دم بخون دھکڑا رہا۔

نقشہ اور تعاقب،

کمپاؤڈر پر پھر سنا نا طاری ہو گیا تھا۔ جمید نے تحریر بگاہ کا دروازہ بند کر کے پھر روشنی کر دی۔ وہ جلد از جلد اس نقشے کو تلاش کر لیما چاہتا تھا جس کا حوالہ صیبحہ نے اپنے خط میں دیا تھا۔ مگر وہ نقشہ... آخر اس قسم کے کسی نقشے کا کیا مقصود ہو سکتا تھا۔

یہاں تقریباً دو دو جن الماریاں تھیں اور ہر الماری پر اس کے نمبر موجود تھے، جمید تیرہ نمبر کی الماری کے سامنے رک گیا۔ اچانک اس نے تحریر بگاہ کے دروازے پر فریدی کی آواز سنی۔

”اندر کون ہے!“

”میں ہوں۔“ جمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولा۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

فریدی اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”وروازہ بند کر دو۔“ اس نے کہا۔ حمید دروازہ بند کر کے فریدی کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی نائی کی گردہ ڈھیلی ہو کر سینے پر جھوول رہی تھی اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ گالوں پر بلکلی بلکلی خراشیں تھیں، جن سے خون نکل کر لکیروں کی شکل میں جم گیا تھا۔

”کیا معاملہ تھا؟“ حمید نے پوچھا۔

”انہوں نے...“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بواہا۔ ”میرا خیال ہے کہ انہوں نے خاص طور سے تحریر کاہی کو نشانہ بنانا چاہا تھا۔ تعداد میں پانچ تھے۔ اور اپنے چہرے نتابوں میں چھپا رکھے تھے۔“

”اورا آپ بھی خاص طور سے تحریر کاہی میں ڈچپی لے رہے تھے۔“

”ہو سنتا ہے کہ زندگیوں کی دلچسپیوں کی ایک ہی وجہ ہو۔“ فریدی نے جواب دیا۔ ”ابھی بورمنٹ کرو۔“

حمدی نظر یہ انداز میں مستقر ایا اور آہتھے سے کھینچا۔ ”وجہ دریافت کرنے کے لئے آپ کو ساری الماریاں لٹھنی پڑیں گی۔“

”بکواس مت کرو۔“ فریدی بڑا کر ایک الماری کا تالا توڑنے لگا۔ اور حمید تیرہ نمبر کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تالا توڑنا مشکل نہیں تھا وہ جلدی کامیاب ہو گیا۔ اس الماری میں صرف کاغذات تھے۔ حمید نے ان سب کو نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

”کیا کر رہے ہو؟“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”میں کہاں تک بیکار بیٹھا رہوں۔ آپ اپنا کام کیجئے۔“

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑا تاہوا اپنے کام میں مشغول رہا جھوڑی دری کی منیت کے بعد حمید کو نقشہ مل گیا۔ وہ بہت واضح اور صاف تھا۔

”وہ مارا۔“ حمید فرش سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا۔

”میں کان پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔“ فریدی کو سچ مجھ غصہ آگیا تھا۔ اس کے ہونٹ کا تپ رہے تھے۔

”یہ دیکھئے! نقشہ یہ رہا۔“ حمید اس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر دیواری فریدی نے جھپٹ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور کھینٹا ہوا گمرے کے دوسرا ہمراہ پر لے گیا۔ ”دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔“ اس نے اس کی گردان پکڑ کر دیوار کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

”واقعی میرے سارے گردش میں ہیں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”دن بھر بندرا اور اس وقت...“ وہ جملہ پورا کرنے کی بجائے اس نقشے کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کو کسی اور جیز کی تلاش تھی۔ وہ دیواری کی طرف منہ گئے ہوئے احمدینان سے کھڑا رہا۔

اچانک اس نے فریدی کی بلکی سی گراہ سنی اور کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ حمید بیساختہ پلنا۔ فریدی الماری سے تقریباً ڈینہ ہزار کے فاصلے پر فرش سے اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی وہ اپنا داہناباز و بھی رگڑتا جا رہا تھا۔ ”کیا ہوا؟“ حمید بول کھلا کر اس کی طرف دوڑا۔

”شاک۔“ فریدی فرش سے اٹھتا ہوا بوا۔ ”تالے میں گرفت ہے۔“ اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں صبیحہ نے اسے یقوقف تو نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ فریدی نے جس الماری کے تالے کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نہر چھوڑتا تھا۔

”آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔“ حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

”بھی بتاتا ہوں۔ ذر الائک آف کردو۔“

حمید نے رہنی گل کر دی۔ فریدی شاکہ بھر الماری کے قریب پہنچ چکا تھا کیونکہ آوازیں کچھ اس قسم کی آرہی تھیں جیسے وہ تالا توڑ رہا ہو۔ دوسرا ہی لمحے میں گھٹا کے کی آواز آئی اور فریدی نے کہا ”لائٹ آن کرو۔“

جمید نے پھر رہنمی کر دی۔ فریدی تالا توڑ کر الماری کے پٹ کھول چکا تھا اور وہ الماری! جمید اپنا سر سہلانے لگا کیونکہ الماری میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ غالباً پڑی ہوئی تھی۔ کسی خانے میں ایک تنکا بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

”یہ کیا تھافت ہے؟“ جمید بڑا بڑا یا۔

”اب میری بھی کچھوں لے جئے۔“ جمید نے کہا۔

”تم بھی بکوں،“ فریدی جھاکرا سکلی طرف مڑا۔

جمید نے صبیحہ کا خط اور نقشہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ فریدی حسروزی دیر تک خط اور نقشہ کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ”یہ خط کہاں ملا تھا؟“

”یہ راج تھیں۔“ جمید نے کہا اور رومال کا حصہ بتاتا ہوا بولا۔ ”رومال پر الوگی تصویر تھی، ورنہ میں کہیں مستوجہ نہ ہوتا۔ مجھے یہ پرندہ کسی عظیم سراغر سماں کی طرح عظیم معلوم ہوتا ہے۔“

”مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھا۔ نہیں یہ سب بگواں ہے ڈاکٹر ہمارا وقت بر باد کرنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں سردار محمود کا آدمی سمجھتا ہے۔“

”تو کیا یہ حقیقہ کسی دینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیوں شروع کر دی تھی۔“

”دنیہ وغیرہ سب بگواں ہے۔ یہاں مجھے ان چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھے بھی کوئی علم نہیں ہے۔“

جمید کے پھرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ آخر کار اس نے جھاکر کہا۔ ”اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔“

” بتاتا ہوں۔“ فریدی کے ہونٹوں پر خنیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”کل رات میں نے سردار محمود کے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا مذکورہ سنایا، جوان

لوگوں کے خیال کے مطابق تحریر بگاہ میں ہو سکتی ہیں کیونکہ تحریر بگاہ ہمیشہ رات کو خالی پڑی رہتی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہیں جاگہ رکھی جا سکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ مگر بعض ایسی جاگہ رکھی جا سکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سے مگر بعض اوقات فریدی سیجھا قتیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ ڈاکٹر نے فرار ہوتے وقت یہاں سے ایسی کوئی چیز چھوڑی ہو گی۔“

”مگر یہ عمارت کھلی پڑی ہوئی ہے اور یہاں ہزاروں کا سامان ہے۔ کیا ڈاکٹر جس پاگل ہو گیا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید کی سمجھن بدستور برداشتی رہی۔

”لا اون قشہ تو لا او۔“ فریدی نے ٹھوڑی دیر بعد کہا۔

”وہ کچھ دیر تک نقشے پر جھکا رہا پھر بولا۔“ میں اسے بھی وقت کی برہادیہی سمجھتا ہوں، لیکن چلو یہی ہے۔ میںے اس نقشے کے وجود کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی... اچھا آؤ۔“

”نقشہ آپ کی سمجھ میں آگیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں اونہ بہت صاف ہے لیکن... وہ جگہ... کیا ہو گی... یہ نہیں کہا جاستا۔“

”کیسی جگہ۔“

”جہاں آخری تیر بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نشانات رام گڑھ کے ایک غیر آباد حصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اختتام کسی عمارت پر ہو گا... یا... آؤ... گیراج میں ایک گاڑی تو موجود ہے۔ لیکن پہلے میں اس عمارت کی نگرانی کے لئے ماہر کو فون کر دوں۔“

فون کرنے کے بعد وہ گیراج میں آئے۔ گاڑی موجود تھی اور اس میں کافی مقدار میں پڑول بھی تھا۔ پڑول کے دو بھرے ہوئے ہیں انگ سے بھی موجود تھے۔ اور حمید کی دانست میں وہ ایک ہا معلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔

کیونکہ نقشہ حمید کی سمجھو میں نہیں آیا تھا۔ کارمندان راستوں پر دوڑتی رہی۔  
”ان دونوں میں سے مجرم کون ہے۔ سردار محمود یا ڈاکٹر؟“ حمید نے پوچھا۔  
”دونوں۔“

”اور دونوں ایک دوسرے کے ذمہ بھی ہیں۔“  
”ہاں... اور...“ فریدی سمجھ کرتے کہتے رک گیا۔ حمودی دری خاموش رہا پھر بولا  
۔۔۔ یا رحمید ایک بات سمجھ میں نہیں آتی... خیر ہٹاؤ۔۔۔ پھر دیکھیں گے۔“  
”نہیں ابھی اور اسی وقت دیکھیں گے۔“ حمید جھا جھا اگیا۔  
”اندھیرے میں کیا دیکھو گے! ویسے تم یہ ضرور دیکھوں گے کہ ہمارا تعاقب ہو رہا  
ہے۔“

”یعنی!“ حمید چونکہ گرمرا۔ کافی فاسطے پر کسی دوسری کارکی ہیڑلا بیٹھس نظر آرہی  
تھیں۔ وہ حمودی دری تک دیکھتا رہا لیکن دونوں کاروں کے درمیانی فاسطے میں کوئی  
تبدیلی نہ ہوتی۔ اس لئے اسے بھی نہیں سوچتا پر اکٹھہ وہ تعاقب ہی ہو ستا ہے۔

”پرواہ نہ کرو!“ فریدی بڑا بڑا ہوا۔ ”آج میں شکار کھپیل رہا ہوں۔“

”ضرور رکھیں!“ حمید نے بیزاری سے کہا۔ ”میرے مقدار میں تو ایک لرامونون  
بھی نہیں ہے کہ کار لفڑو آل کے ریکارڈی سمنا شروع کر دوں۔“

”لگبھراو نہیں! ابھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود زندہ دل آدمی ہے  
۔۔۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر نے مجھ سے مدد حاصل کی ہے۔ درست وہ پاگل خانے میں کریں  
فریدی بن گر کیوں داخل ہوتا۔“

”کیا وہ سردار محمود تھا۔“

”اس کے علاوہ اور کون ہو ستا ہے۔“

”یعنی آپ کے پاس کوئی بھروسہ ثبوت نہیں ہے۔“

”انتا بھروسہ کہ سردار محمود کو زندگی میں میدان حشر کامرا آجائے گا۔“

”اوڑا کٹر۔“

”ڈاکٹر!“ فریدی نے ہاکا ساتھ تھہ لگایا۔ ”وہ اس قابل ہے کہ ڈاکٹر کی بجا کر سے بندروں کے ساتھ نچایا جائے۔“  
کار بدستور سمنان سڑک پر دوڑتی رہی۔

فریدی نے کہا ”آگے ایک موڑ اور پہلے اس کے بعد ہم سیدھے جائیں گے... اوہ ہو... اب یاد آیا۔ وہ آخری تیر کا نشان... مگر نہیں... وہ سڑک تم پیچھے چھوڑ آئے ہیں... خیر دیکھو!“  
”کار کی روشنیاں بمحاذ تھیں تا۔ سڑک صاف ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ! انہیں اس کا بھی احساس نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تعاقب سے باخبر ہیں۔“  
کار ایک دوسری سڑک پر مژگعنی اور سکھ دوڑ رچل گر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی اس کے پیچھے تھی۔

”ہم غلط نہیں آئے۔ وہ غالباً بیوی کی کھاد بنا نے والی نیکوی کی چمنی ہی ہے۔ وہی طرف دیکھو۔ اسی کے چار فرلانگ کے فاصلے پر تیر کا آخری نشان تھا۔“  
حمدید سکھنے بولا۔ وہ اس چمنی کی طرف دیکھ رہا تھا، جواندھیرے میں بھی صاب نظر آرہی تھی۔

کار چلتی رہی... اچانک فریدی نے کہا۔ ”چار فرلانگ؟“  
اور کار کی رفتار کم کر کے انہیں ہند کر دیا۔

”جلدی سے اتراؤ۔“ اس نے کہا اور حمید دروازہ کھول کر نیچے کو دیکھا۔ فریدی کہ رہا تھا۔ اب میں سمجھ گیا۔ انہیں ڈاکٹر کی تلاش ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسی کے پاس جائے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ صینہ ٹھیک ہی ہو... آؤ۔“

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ جھوڑی ہی دوڑ پر روشنی نظر آرہی تھی۔  
اڑائی میں غالباً وہ کوئی عمارت تھی اور اس کی کھڑکیوں سے روشنی تھی۔

فریدی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کافی نیچے اتر آئے تھے۔ اس لئے اس کا پتہ چلنا دشوار تھا کہ وہ سری کا رو بیاں پہنچی یا نہیں۔

وہ ایک مختصر سی عمارت تھی اور اس میں تین گمروں سے زیادہ نہ رہے ہوں گے۔ اس کی کئی کھڑکیاں رہشن تھیں۔ فریدی حمید کو ایک بڑے پتھر کے پیچھے دکھیل کر خود عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس کی واپسی بھی جلدی ہی ہوئی۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ آہستہ سے بولा۔ ”وہ لوگ یہیں ہیں۔ میں نے صرف ڈاکٹر کو دیکھا ہے۔ لڑکیاں آئیں۔“ وہ دونوں پتھر کی اوٹ میں تھے۔ یعنی سڑک سے اتر کر عمارت کی طرف آنے والے انہیں دیکھنیں سکتے تھے۔ حمید کو تو احساس بھی نہ ہوتا کہ کب کون آیا اور کب گیا۔ یکو نکلے اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ وہ پتھر کی اوٹ سے جھانکنے ہی کوئی کوشش کر رہا تھا۔

”وہ بیاں پڑھ گے۔“ فریدی نے سرگوشی کی اور وہ سرے ہی لمحے میں ایک چھنا کا سا سنا لی دیا جیسے شیشے کی کوئی چادر فرش پر گر کر چور چور گئی ہو۔ حمید نے اب بھی آواز کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی، وہ مضمون تھا کہ فریدی تو دیکھ ہی رہا ہے۔ جب وہ چاہے گا اسے کسی مشین کی طرح حرکت میں لے آئیں۔ اچانک فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ بیجوں کی بل چلتے ہوئے بڑی تیزی سے عمارت کی ایک دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے قدموں کی آہٹیں سنیں، برآمدے میں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”تم یہاں ٹھہرو، جو بھی داہراً ہے، نہایت اطمینان سے گولی مار دیں۔

فریدی نے آگے بڑھ کر برآمدے میں جھانا کا۔ کھڑکیوں سے آنے والی رشتنی اتنی کافی تھی کہ وہ ستون سے چھٹے ہوئے اس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کی پشت اسی کی طرف تھی۔

حمید نے فریدی کو برآمدے میں جاتے دیکھا اور وہ خود بھی وہ سرے سرے تک

پنچا بھی نہیں تا کہ اسے برآمدے میں کوئی کو دتا ہوا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ آدمی تھا جیسا کہ جانور تھا یا گول مٹول سا۔ وہ اسی کی طرف آرہا تھا۔ حمید وہ تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت معلوم ہونے میں دری نہ لگی۔ وہ فریدی تھا اور اس نے کسی کو اپنی پیٹھ پر لا دکھا تھا۔ اس نے ایک بیجان سے آدمی کو زمین پر ڈال دیا۔“

”آہ! مگر یہ...!“

”اس کی پرواہ نہ کرو۔ اسے گھنٹوں میں ہوش آئے گا۔“

وہ دونوں دپے پاؤں چلتے ہوئے برآمدے میں آئے اور کھڑکیوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے انہیں جھکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے کھڑکیوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے انہیں جھکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے دیکھنے نہ جائیں۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر ایک چھوٹی سی راہبیدری میں پہنچ گئے۔ سامنے والے کمرے میں ڈاکٹر آتشدان کے قریب ایک ایک آرام گرسی میں پڑا ہوا تھا اور اسے تین ایسے آدمیوں نے پھیر کھا تھا۔ ان کے چہروں پر سیاہ نقاپ تھے۔

ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قطعی خالی از رہنم ہو۔ وہ تین آدمی نالہا اپنے اس غیر متوقع اقدام کا عمل معلوم کرنا چاہتے تھے، درن پھر اس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟

-----

## زیر پہنچ

جمید نے اپنے ہاتھ پر کوئی سخنندی سی خیز محسوسی کی۔ فریدی نے اس کی طرف ایک رو والور بڑھایا۔ جمید نے اس کے دستے پر منبوطي سے انگیاں جما دیں۔

”ڈاکٹر...“ اندر ایک قومی ہیکل آدمی کہہ رہا تھا۔ یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا بھی موقعہ نہ دیا جائے گا۔“

”میں نے آج تک اپنے کسی فعل پر افسوس نہیں کیا۔“ ڈاکٹر کا لہجہ پر سکون تھا۔“ تم دس سال سے مجھے دلکھر ہے ہو... دس سال سے...“

”جاوہ نہیں تلاش کرو۔“ اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ ”اور اس خبیث کو بولنا ہی پڑے گا۔“

دوسرا دروازے کی طرف بڑھے اور فریدی نے جلدی سے جمید کو اشارہ کیا۔ جمید ایک طرف سمت گیا۔ فریدی دروازے کی دوسری طرف تھا۔

جیسے وہ دونوں باہر نکلے ان کے سروں پر بیک وقت وہ سفریں پڑیں۔ اور وہ ڈھیر ہو گئے۔ ریوالور ووں کے دستے کافی وزنی تھے۔ تیرا آدمی بھی غرا کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اس کے جڑے پر پڑا اور وہ ڈاکٹر کے پیروں کے پاس جاگرا۔

”کمال۔ جمال۔“ وہ ڈاکٹر کی سرت آمیز جنگ تھی۔ لیکن فریدی اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

”سردار محمود! پھرے سے نتاقب اتا رہو۔“ فریدی نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر جمید سے بولا۔ ”میری عجیب میں تھکلریوں کا ایک جوڑا ہے، جو بارہ بجے کے بعد ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ سردار محمود کے ہاتھ یقیناً سخت ہوں گے۔“

سردار محمود اپنا نتاقب الگ کرتا ہوا بولا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو؟ ہم ایک ڈرامے کا ریہر

سل کر رہے تھے... کیوں ڈاکٹر!“

”ڈرامہ ختم گیا، حمید تھکریاں اگادہ۔ کرنل فریدی تمہیں پاگل نمبر چوالین کو زہر کا

نیکشنا دینے کے الزام میں گرفتار کرتا ہے۔“

”کرنل فرید... تم...“ ڈاکٹر لیز کھڑا کر دیوار سے جالگا۔

حمد تھکریاں لے کر آگے بڑھا اور فریدی نے گرج کر رہا۔ ”نہیں محمود! تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ میں تم پر فائز بھی کر سکتا ہوں۔“

”یہ بکواس ہے۔ میں کسی پاگل کو نہیں جانتا۔“ سردار محمود چینا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو! وہ پاگل نہیں تھا۔“ فریدی مسکرا بولا۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس بیچارے کوئی دن سے بخار تھا۔ تم کرنل فریدی بن گر اس کی کوئی تحریکیں داخل ہوئے اور تم نے اسے زہر کا نیکشن دے دیا۔ وہ غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ تم ڈاکٹر ہو، گیونکہ تم میک اپ میں بھی تھے۔ حمید تھکریاں اگادہ رہتا کہ میں اطمینان سے یہ داستان سردار محمود کو سنائیں گے۔“

حمد تھکریاں اگادیں سردار محمود چپ چاپ کھڑا رہا۔

جب تھکریاں لگ چکیں تو اس نے مسکرا کر کہا ”جو کچھ کہہ رہے ہو اس کا کوئی ثبوت بھی ہے!“

ثبوت! میں نے آج تک کوئی کچا کام ہی نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کے ذی اثر لوگوں میں سے ہو۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت تمہیں پہنچانی کے پہنندے سے نہیں بچاسکتی۔“

”مجھ پر جھونا الزام اگایا جا رہا ہے۔“ سردار محمود نے تلخ لمحے میں کہا۔ اس کے لئے تمہیں عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔“

”میں جواب دے اوں گا۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اے... ڈاکٹر تم کہاں چلے گے... نیجھو... درنہ تمہارا حشر بھی سچھا چھا نہیں ہو گا۔“

اس پر ڈاکٹر اور سردار محمود نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے پھر ڈاکٹر گا صاف کر کے بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہم ایک ڈرامے کے لئے ریہرگرد ہے تھے۔“

”مگر ڈاکٹر! کیا یہ بہر سل ہماری ہی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ ترین پر بیمه کمپنی کے آنکھوں کا یہ بہر سل۔ پھر راستے میں کار پر ڈاکے کا ریہر سل۔ اور اب یہ رہر سل نہیں ڈاکٹر یہ ڈرامہ اب اٹھنے ہو سکے گا۔ ہر قسم کے ریہر سل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پا گل خانے میں زہر کا انجاشن دینے کا ریہر سل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پا گل خانے میں زہر کا انجاشن دینے کا بہر سل فرمایا۔ لیکن اس بات کا خیال نہ رکھا کہ پا گل نمبر چوالیس کے بارو پر عقیق کا ایک بڑا سامنہ بھی موجود ہے اور وہ بولکھا ہے۔ میں اس پر اچنے آنکوٹھے کا ایک بہت ہی واضح نشان چھوڑ رہے۔ میں نے کہا کہ آخر میں کیوں اس ریہر سل سے محروم ہوں۔ لہذا آج جب سردار محمود صاحب تین بجے اپنے ڈرائیکٹر ہوم میں لاٹم جوں لی رہے تھے، میں ان سے زیادہ دو نہیں تھا۔ وہ گاہن ختم کر کے وہاں سے بہنے اور میں نے اپنا پارٹ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ میں نے وہ گلاس کیوں چڑایا ہوا گا۔ بہر حال چھ بجے تک فنگر پنٹ کے ایک پرٹ اس بات پر متفق ہو گئے کہ عقیق کے مہرے اور گلاس کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں سردار محمود! کیا ڈرامہ اٹھنے ہو سکے گا۔“

سردار محمود اپنے خشک ہونوں پر زیان پھیسر کر رہ گیا۔ اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

”اب تم بکو! ڈاکٹر!“

”کیا تم مجھ کرنل فریدی ہو؟“

”میرا وقت نہ برباد کرو!“ فریدی نے خشک لبجے میں کہا۔ ”لڑکیاں کہاں ہیں! بلکہ ان دونوں میں سے وہ لڑکی کون ہے؟“

”میں تمara مطلب نہیں سمجھنا!“

”میں اس لڑکی کا کام پوچھنا چاہتا ہوں جس کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ جس کے لئے تم دس سال سے دھمکائے جاتے رہے ہو... ڈاکٹر جلدی کرو! میرے پاس وقت کم ہے۔“

”زور یعنے...!“ ڈاکٹر نے مردہ کی آواز میں لپھا۔

# اردو فینز ڈاٹ کام

## داستان

کمرے میں ڈاکٹر فریدی اور حمید کے علاوہ دونوں لڑکیاں بھی تھیں اور وہ چاروں قیدی دوسرا کمرے میں بند کروئیے گے تھے۔ کھادکی فیکلوی سے فریدی نے ماہر کو فون کر دیا تھا اور اب وہ اسی کا منتظر تھا۔

ڈاکٹر کمرے میں ہل ہل کر کہہ کر رہا تھا۔ ”میں کیا کرتا۔ بالکل بے بس تھا۔ پولیس کو اطاعت دینے کی صورت میں بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتا۔“

”میں یہ داستان شروع سے سننا چاہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

ڈاکٹر چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”مگر تم یہاں پہنچ کس طرح!“

”آبا خوب آیا۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”اس نقشے کا کیا مطلب تھا ڈاکٹر... وہ غالباً تیر انہر کی الماری میں تھا اور چھ نہر کی الماری میں کیا تھا۔

”وہ نقشہ! میں نے ان دونوں کے لئے بنایا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں یہ یہاں تک پہنچ سکیں۔“ ڈاکٹر دونوں لڑکیوں کی طرف مکیج کر بولا۔ ”اور چھ نہر کی الماری میں وہ کاغذات تھے جنے یہ ثابت کیا جاستا ہے کہ زرد یہہ حقیقتاً کون ہے!“

”میں حقیقتاً کون ہوں۔“ زرد یہہ نے اس جملے پر حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی طرف دھیان دیجئے بغیر بولا۔ ”سردار محمود اور سردار ہاشم دونوں سے چھائی تھے۔ سردار ہاشم محمود سے زیادہ مالدار تھے۔ آج بھی دھن میں اس کی چاندی کی کافی کانیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ سردار محمود نے بہت بھی تھا... ایا ز... وہ سردار ہاشم کا بیٹھا تھا اور اسے سردار ہاشم سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کی بیوی کی حفاظت کرتا رہا۔“

ہاشم کی موت کے تین ماہ بعد ایک بچی پیدا ہوئی۔ لیکن اب ان دونوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ سردار محمود ان کا خاتمه کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ آخر ایک دن ایا ذ

انہاں بیٹیوں مصیبت نامہ ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں ان کا خاتمہ کر دیئے پر تلا ہوا تھا، آخر ایک دن ایازان ماں بیٹیوں مصیبت نامہ ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں بد نام کرنے کے لئے افسانے تراشے اور ان کے خلیے مشہر آگرا دیئے۔ ایاز میرا پر اتنا شنا ساختا۔ اس کی بد نامی میرے کانوں تک بھی پہنچی۔ بات پچھوں دنوں بعد ختم ہو گئی۔ میں اس کہانی میں کیسے داخل ہوتا ہوں۔ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایاز کے فرار کے لمحیک چھ ماہ بعد مجھے سرکاری تطور پر انگلینڈ جانا پڑا۔ چونکہ قیام کی مدت پانچ سال تھی اس لئے بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے صرف ایک آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ ہم یہاں سے بندگاہ کے لئے روانہ ہوئے تین دن بعد وہاں پہنچے۔ بچی راستے میں یہاں پر گئی۔ اس لئے ہمیں روانگی ملتاوی کرنی پڑی لیکن پچھی چار دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ واقعی وہ ایک پا گل کر دیئے والا واقعہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سروں پر اتنا اثر نہ ہوتا وہ مگر میں تو قریب قریب پا گل ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد رہ گیا تھا کہ ہم انگلینڈ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں سارا دن سڑکوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ لیکن مجھے واقعہ تھی کہ وہ بچی مجھے وہ بارہ مل جائے گی۔ اچانک ایک دن ایاز سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے متعلق میں قریب قریب سب کچھ بھلا بچکا تھا۔ لیکن ایاز نے خود ہی اس کا انہما کیا۔ سردار ہاشم کی بیوہ ہمیٹیے کاشکار ہو کر فوت ہو چکی تھی، لیکن پچھی کو ایاز اب بھی سینے سے لگا پھر رہا تھا۔ اس نے میرے واقعات سن کر ایک تجویز پیش کی۔ گیوں نہ میں اس بچی کو لے کر اپنی کی طرح پا لوں۔ کسی کو علم بھی نہ ہو گا کہ وہ میری بچی نہیں ہے۔ پاسپورٹ پر نہایت آسانی سے انگلینڈ کا سفر کر سکتی تھی۔ میں ایاز کو اپنی قیام کا ہ پر لایا۔ میری بیوی کو کی جب اس کے حالات معلوم ہوئے تو وہ پنجی کو لے لینے پر اڑ گئی۔ اس کے لمحیک ذریعہ سال بعد صبیحہ پیدا ہوئی۔ پھر مجھ پر وہ سری مصیبت نازل ہوئی۔ یعنی انگلینڈ سے واپسی سے چھ ماہ قبل میری بیوی یہاں ہوئی اور ایک ماہ بعد وہ بھی چل

بھی۔ بہر حال اس واقعے سے محکمہ سرا غریبانی کو کوئی لچکی نہیں ہو سکتی لہذا میں اپنی پریشانیوں کا نذکر کر کے بورنیں کروں گا۔ پانچ سال پورے کر کے میں انگلینڈ سے واپس آگیا۔ میرے اعزہ کو دلڑکیاں دیکھ کر برداشت ہوئی۔ شاہزاد میں نے اپنی بچی کی موت پر ان میں سے کسی کو خلط لکھ دیا تھا۔ بہر حال مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ لکھا تھا یا نہیں۔ ممکن ہے لکھوں ہی دیا ہو۔ میں نے انہیں جھٹانا نے کی کوشش کی۔ اس پر بات سچیل گئی لیکن معاملہ صرف چہ میکیوں ہی تک محدود رہا۔ لیکن آج سے وہ سال پہلے کی بات ہے کہ ایک واقعے نے حالات کو دوسرے رنگ میں ڈھال دیا۔ ایک رات ایاز میرے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ محمود کے آدمی اس کے پیچھے تھے۔ اس نے کچھ کافی نہیں کیا۔ اس نے پر دکھنے اور استدعا کی کہ میں اسے پاگل خانے میں پہنچا دوں۔ ایک پاگل کی حیثیت میں۔ اس نے بتایا کہ اسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ معمود ہلڑکی کی سن بلوغ کو پہنچنے تک زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ سردار محمود کی جماعت اپنے ہاتھوں سے بنائے۔ میں نے بھی سوچا تدبیر تو ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نے اسے پاگل خانے میں داخل کر دیا۔

سردار محمود کو اس کا علم ہو گیا۔ ہلڑکیوں کے بارے میں پہلے ہی چہ میکیوں ہو چکی تھیں۔ اسے شک ہو گیا اور اس نے ہلڑکیاں سمجھدار ہو چکی تھیں۔ اس نے انہیں مضمون کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی دینے کی داستان ترشی پڑی۔ وہی داستان میں نے تم کو بھی سنائی تھی۔“

”مجھے اس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔“ صبیحہ بول۔

”تم خاموش رہو۔“ ڈاکٹر اسے گھرتا ہوا بولا۔ پھر فریدی سے مخاطب ہو گیا۔ ”نه سردار محمود ان واقعات کی طراح پوچھ کو دے سکتا تھا اور نہ میں ہی ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اس لئے نہیں دے سکتا تھا کہ اس کی نیت میں فتور تھا۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر ہمیشہ

قاپض رہنے کے لئے چپ چاپ لڑکی کو بٹھانے لگا دینا چاہتا تھا۔ میں اس لئے خاموش تھا کہ اگر پولیس کو اس واقعے کا علم ہو گیا تو لڑکی سردار محمود کے حوالے کر دی جائے گی کیونکہ قانونی طور پر وہی اس کا ولی تھا۔ اس طرح وہ سیدھی موت کے منہ میں چلی جاتی۔ بہر حال وہ مجھے ہر طرح پریشان کرتا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک دن میں تک آکر لڑکی کو اس کے پر دکر دوں گا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اسے آج تک یہی نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں سے اس کی بیٹھی کون ہے وہ تو الگ رہا۔ یہ دونوں خود ابھی تک ایک دوسری کو سلی بہنیں سمجھتی رہی ہیں۔ سردار محمود نے تو یہاں تک کو شش کی تھی کہ ان دونوں کو ختم کرادے۔ لیکن... خدا کا انصاف اور آج تک لاولدہ ہے اور اب اس کا رخ پھانسی کے تختے کی طرف ہو گیا ہے اور زرینہ اپنی اور اس کی دونوں جائیدادوں کی بالک بنتے گی۔

”ارے... واه۔“ صبیحہ باتھنچا کر بولی۔ ”بڑی آئیں گھیں کی۔ کیا میں گھیں مر گئی ہوں۔ سردار محمود کی جائیدادیں لوں گی۔ اتنی جائیدادیں کیا کیجیے میں بھریں گی ساری وہ رہ میرل بلبل یہ رہنا کیسا!“ وہ اٹھ کر زرینہ کے آنسو ڈھنک کرنے لگی۔ ”صبیحہ!“ ڈاکٹر بگڑا گیا۔ ”اسے پریشان نہ کرو، درنہ تھپٹر مار دوں گا۔ وہ مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے۔

اس لئے کہ وہ میرا شہ کار ہے۔ اسے میں نے جیسا بنانا چاہا ہے۔ اور تم نہ جانے کیا ہے؟“

”میں یہ تو فہم گئی ہوں ڈیڈی۔“ صبیحہ نے قہقہہ لگایا۔ ”سردار ہاشم کی بھی میں وہ۔ آپ خواہ گنو اہ اپنی لڑکی کو میری جائیدادیں دلوانا چاہتے ہیں۔“

”ارے کم بخت! یہ کیا کہتی ہے!“ ڈاکٹر اپنا سر پیٹ کر بولا۔ ”اگر تو نہ یہ بات کہی تو میرے فرشتے بھی یہ نہ ثابت کر سکیں گے کہ تو سردار ہاشم کی لڑکی نہیں ہے۔“ ”نہیں ڈاکٹر!“ فریدی نے سمجھدی گی سے کہا۔ ”میرے پاس اس کا ثبوت ہے کہ

صیبیحہ تمہاری بیٹھ کی ہے اور یہ ثبوت مجھے آج بھی ملا ہے۔ تمہاری مرحومہ بیوی کی  
ڈاکٹری جسے تم نے اپنی تحریر بے گاہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ اتنی احتیاط سے کہ سردار محمد کا باتھا  
س تک بہت آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔“

”رشوٹ... رشوٹ۔ میں بھی نہ مانوں گی۔“ صیبیحہ شور مچانے والے انداز میں  
بولی۔

”اوہ واقعی۔“ ڈاکٹر سرہلہ کر بوا۔ ”میں بالکل گدھا ہوں۔“  
”تب میں آپ کی بڑی نہیں ہوں۔ خواہ مجھے آپ کی بھی جائیداد نہ ملے۔“ صیبیحہ  
تے اس انداز میں کہا کہ فریدی اور حمید بیساخیتہ نہ سپڑے اور ڈاکٹر دانت پیٹتا ہوا  
صرف گھونسہ دکھا کر رہ گیا۔

پوسٹے دن حمید کے استفسار پر فریدی نے اس کیس کی ابتداء پر روشنی ڈالتے  
ہوئے بتایا کہ مرکزی محلے کو رام گڑھ پولیس ایک گمنام شکایت نامہ موصول ہوا تھا کہ  
ایاز پر دسترس ہونے کے باوجود بھی وہ سردار باشم گی بیوی اور بیوی کا پوتہ نہیں لگا سکتی  
اور ایاز بنا ہوا پاگل ہے۔ غالباً یہ شکایت نامہ سردار محمد بیوی کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔  
کیونکہ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ ایاز کو پاگل خانے میں داخل کرنے والا اکابر نجیب  
ہے۔ سردار محمد نے یہ سوچا ہو گا کہ ممکن ہے کہ مرکزی محلے کی تحقیقات کے دوران  
میں اس کی بھتیجی بے نقاب ہو جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو  
جائے، لیکن اسے کسی طرح فریدی کی آمد اور اس کے طریق کار کے متعلق علم ہو گیا۔ لہذا ہو  
سکتا ہے کہ اس کی سماڑش کا راز ظاہر ہو جائے۔

تمام شد